3

تہذیب کی کہانی

لوہے کا زمانہ

ڈاکٹر مبارک علی

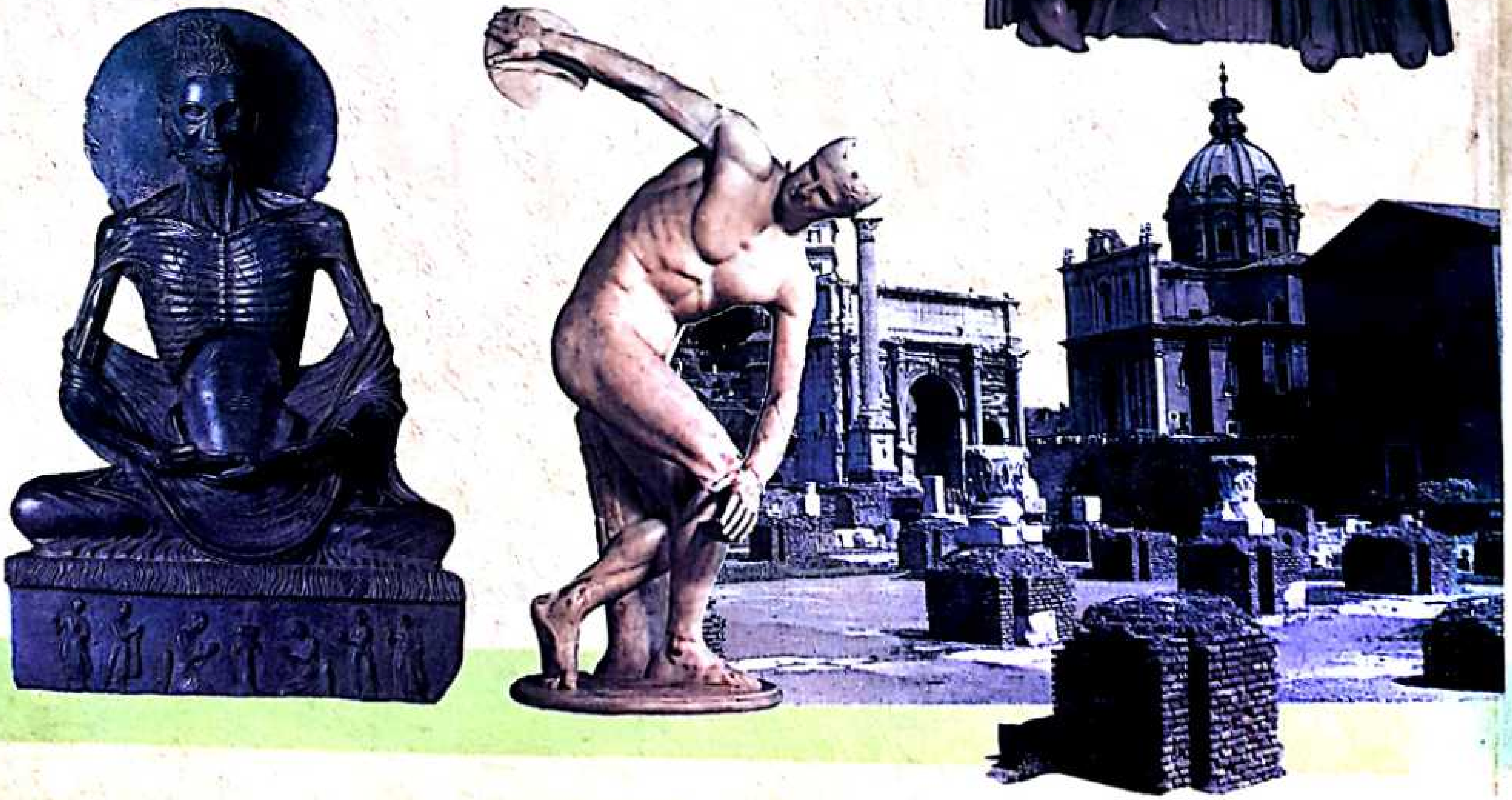

تہذیب کی کہانی
لوہے کا زمانہ
ڈاکٹر مبارک علی

تہذیب کی کہانی

لوہے کا زمانہ

ڈاکٹر مبارک علی

ایکشن ایڈ انٹرنیشنل پاکستان

actionaid
international
pakistan

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : تہذیب کی کہانی
لوہے کا زمانہ
مصنف : ڈاکٹر مبارک علی
پبلشر : ایکشن ایڈ انٹرنیشنل پاکستان
کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز : آئی اینڈ سائٹ پرنٹر اینڈ پبلیشرز
ڈیزائنر : غلام عباس
اشاعت : 2006ء
تعداد : 1000
قیمت : -/300 روپے

تقسیم کار : فکشن ہاؤس، 18- مزنگ روڈ، لاہور
فون: 042-7249218-7237430

پیش لفظ

تہذیب کی کہانی کا یہ تیسرا حصہ ہے جو لوہے کے زمانے سے متعلق ہے۔ دھات کے اوزاروں نے انسانی سماج کو کس طرح سے بدلا اور تہذیب کے پھیلاؤ میں کیا کردار ادا کیا، یہ اس کتاب کا موضوع ہے۔

کتاب کی تیاری میں ایکشن ایڈ انٹرنیشنل کا تعاون رہا ہے۔ کتاب کی تزوین و آرائش میں غلام عباس کی کاوشیں ہیں۔ شفیق تبسم نے اس کی خوبصورت کمپوزنگ کی ہے۔ میں خاص طور سے پروفیسر اصغر، ایف۔سی کالج لاہور کا ممنون ہوں کہ انہوں نے کتاب کی پروف ریڈنگ کی اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ آخر میں ظہور احمد خاں فکشن ہاؤس شکریہ کے مستحق ہیں کہ جنہوں نے اس کی چھپائی میں مدد دی۔

ڈاکٹر مبارک علی

مارچ2006ء

لاہور

فہرست

پہلا باب   لوہا اور تہذیب

لوہا اور تہذیب	13
لوہے کی دریافت	14
لوہے کا زمانہ	14
لوہے کے اوزار	15
لوہے کی تہذیب کا پھیلاؤ	15
سکّہ کی ایجاد	16
ریاست کی تشکیل	17
سماج کی تقسیم	18
دوسرا باب ہندوستان کی ویدک تہذیب	
ہندوستان میں آریاؤں کی آمد	21
آریا کی تعریف	22
وید	23
برہمن	24
اپنشد	25
پران	26

مہابھارت	27
بھگوت گیتا	28
رامائن	29
آریا اور مقامی باشندے	30
آریا سماج: مویشی پالنا اور کھیتی باڑی	31
مذہب	32
کاریگر	33
جنگ	34
ذات پات	35
چار ذاتیں: برہمن	36
کشتری	37
ویش	37
شودر	37
اچھوت	38
عورت	39
سیاسی نظام	40
یگیہ	41
اشومیدھ	41
جین مت	42
بدھ مت	43
بدھ مت اور سنگھ	44
مٹھ اور اسٹوپ	45

ویدک دور پر ایک نظر	46

تیسرا باب   چینی تہذیب

چینی سلطنتیں	49
چینی تہذیب	50
چینی سماج	51
آسمان کا بادشاہ	52
نوکر شاہی	53
مذہب اور فلسفہ	54
کسان	55
مٹی کے فوجی	56
چینی زبان	57
خطاطی و مصوری	58
تاریخ	59
بیماریاں اور علاج	60
کاریگر	61
تاجر	62
روزمرّہ کی زندگی: خاندان	63
تہوار اور کھیل	64
لباس و زیورات	65
کھانا	66
موسیقی	67
شہر	67

چینی تہذیب کے کارنامے 68

چوتھا باب — یونان کی تہذیب

یونان کی ابتدائی تاریخ 71
ایتھنز کی ریاست 72
نظامِ حکومت 73
ایتھنز کا عروج 74
ایتھنز کا سماج 75
اسپارٹا کی ریاست 76
جنگ 77
دیوی و دیوتا 78
دیوتا اور مستقبل کے سوالات 78
مجسمہ سازی 79
ادب 80
مندر 81
فلسفی 82
یونان کے مشہور فلسفی 83
سائنس 84
طب 84
کھیل 85
کاریگر اور مارکیٹ 86
کھیتی باڑی 86
گھریلو زندگی 87

عورتوں کی دنیا	88
بچے	89
لباس	90
جسمانی صحت	91
موت	92
دعوتیں	93
یونانی تہذیب کے اثرات	94
پانچواں باب — رومی تہذیب	
رومی تہذیب	97
تاریخ	98
رومی جمہوریت	99
کارتھیج کی جنگ	100
جنگ کے اثرات	101
شہنشاہیت	102
فوج اور جنگ	103
فوجی اور معاشرہ	104
قانون	105
دیوی و دیوتا	106
عمارتیں	107
فورم	108
گھر	109
کلوزیم	110

مقابلے کی جنگ	111
رتھوں کی دوڑ	112
تھیٹر	113
حمام	114
کاریگر	115
صحت اور بیماری	116
ٹرانسپورٹ	116
رومی سماج	117
گھریلو زندگی	117
عورت	118
شادی	119
بچے	120
کھانا اور دعوت	121
لباس	122
لاطینی	122
موت	123
موسیقی	124
غلام	125
رومی زوال	126

پہلا باب

لوہا اور تہذیب

لوہا اور تہذیب

دنیا میں تہذیبوں کے ابھار، ان کی ترقی اور ان کے پھیلاؤ میں دھاتوں کا بڑا حصہ ہے۔ کانسی نے انسان کو پتھر کے زمانہ سے نکالا اور اسے نئے اوزار اور ہتھیار دیئے جن کی مدد سے اس نے اپنی زندگی کو سدھارا۔ لیکن کانسی نے جن تہذیبوں کو پیدا کیا وہ چند علاقوں میں سمٹی ہوئی تھیں، یعنی میسوپوٹامیہ، مصر، وادی سندھ اور چین۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ تہذیبیں ان علاقوں میں ابھریں کہ جہاں دریا تھے اور کھیتی باڑی کے لئے پانی کافی مقدار میں تھا۔ یہاں گھنے جنگلوں کو کاٹ کر زمین پر کاشت کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ میدانی علاقے دریاؤں کی وجہ سے پہلے سے صاف تھے اور زرخیز بھی تھے۔

جب لوہے کی دھات دریافت ہوئی تو اس نے تہذیبوں کی ترقی میں بہت زیادہ حصہ لیا۔ چونکہ یہ تانبہ اور کانسی کی دھاتوں کے مقابلہ میں سخت تھا، اور ان دو دھاتوں کے مقابلہ میں آسانی سے مل بھی جاتا تھا، اس لئے اس نے تہذیب کے پھیلاؤ اور اس کی ترقی میں بہت مدد کی خاص طور سے ٹیکنالوجی میں۔ کیونکہ اب جو اوزار بنے وہ زیادہ مضبوط اور کارآمد تھے۔

لوہے کے زمانے کی ایک بستی کے آثار

لوہے کی دریافت

کہا جاتا ہے کہ کچھ علاقوں کے لوگوں کو لوہے کے بارے میں 2000 ق۔م میں پتہ تھا۔لیکن اس وقت تک وہ اس قابل نہیں تھے کہ اس کا استعمال کر سکیں۔اس لئے یہ دریافت بے معنی رہی۔کیونکہ کسی بھی دریافت کے لئے ضروری ہے کہ انسانی ذہن اس قابل ہو اور اس قدر پختہ ہو کہ اس کو استعمال کر سکے۔

1400 ق۔م میں ایک قوم تھی جس کا نام حتّی (Hitties) تھا، یہ موجودہ ترکی کے رہنے والے تھے، انہوں نے نہ صرف لوہے کی دھات کو نئے سرے سے دریافت کیا، بلکہ اسے استعمال بھی کرنا شروع کیا۔حتیّوں کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے گھوڑے کو سدھا کر اسے سواری، کھیتی باڑی اور جنگوں کے لئے استعمال کیا۔ورنہ کانسی کے زمانہ میں گھوڑا انسانی اور تہذیبی زندگی میں نہیں تھا۔اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ لوہے کی دھات اور گھوڑے نے مل کر انسانی تہذیب کی رفتار کو تیز کر دیا۔

لوہے کے زمانے کے سکّے

لوہے کا زمانہ

اب ماہر آثار قدیمہ اور مورخ لوہے کے زمانے کی شروعات 1200 ق۔م سے کرتے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں اس کے اوزار اور ہتھیار فلسطین، شام، ترکی، عراق اور یونان میں استعمال ہونا شروع ہو گئے تھے۔

1000 ق۔م میں یہ ہندوستان میں گنگا و جمنا کے میدانی علاقوں میں آیا۔اس لئے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ لوہے کے اوزاروں کی مدد سے جنگلات کو صاف کر کے انہیں کھیتی باڑی کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔650 ق۔م میں اہل مصر اس دھات سے واقف ہو گئے تھے۔

500 ق۔م میں یہ دھات یورپ میں پھیلی۔اس طرح آہستہ آہستہ دنیا کے مختلف علاقوں کے رہنے والے اس دھات کے استعمال سے واقف ہوتے چلے گئے۔

لوہے کے اوزار

لوہے کے اوزار

انسانی تہذیب میں تبدیلی اور ترقی کی سب سے اہم وجہ انسان کے بنائے ہوئے اوزار اور ہتھیار تھے۔ لوہے سے بنے ہوئے اوزاروں میں ہل، درانتی، پھاوڑا، کلہاڑی، اور کھرپی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ کلہاڑی کی وجہ سے درختوں کو آسانی سے کاٹا جانے لگا اور جنگلوں کو صاف کر کے زمین کو کھیتی باڑی کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ لوہے سے بنے ہل سے زمین زیادہ گہری کھودی جانے لگی جس کی وجہ سے بوائی میں ترقی ہوئی، اور کسان کو زیادہ پیداوار ملنے لگی۔

لوہے نے کاریگروں کو پیشہ ورانہ اوزار دیئے جن میں ہتھوڑا، کیلیں، انی، آرہ، اور تیز دھار والے چاقو اور چھریاں تھیں۔ اس دھات کی وجہ سے ہتھیاروں میں بھی تبدیلی آئی اور اب جو ہتھیار بنے وہ زیادہ سخت، مضبوط اور خطرناک تھے۔

لوہے کے ان اوزاروں کی وجہ سے ایک طرف تو انسان نے اپنی محنت کی بچت کی تو دوسری طرف پیداوار میں اضافے نے اس کی معاشی حالت کو بھی بہتر بنایا جس کی وجہ سے اس نے اپنی توجہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر دی۔

لوہے کی تہذیب کا پھیلاؤ

لوہے کی تہذیب، کانسی کے مقابلہ میں زیادہ پھیلی اور ایشیا سے نکل کر یورپ تک جا پہنچی۔ یہ اس تہذیب کا پھیلاؤ تھا کہ ایران اور یونان کا پڑھا لکھا شخص خود کو اب محدود علاقہ کا باشندہ تصور نہیں کرتا تھا بلکہ وہ ایک پھیلی ہوئی، اور بڑی دنیا کا باشندہ تھا جس کے اور دوسری تہذیب کے لوگوں کے درمیان مشترک قدریں تھیں۔

اس تہذیب کی جو اہم خصوصیات تھیں، ان میں ایک تو خود لوہا تھا کہ جس نے فنی اور تکنیکی طور پر تہذیب کو آگے بڑھایا، جب تہذیب آگے بڑھی تو اس میں ایک اور اہم اضافہ یہ ہوا کہ زبانیں جو اب تک بولی جاتی تھیں وہ اب لکھی جانے لگیں۔ زبانوں کے لکھے جانے کے نتیجہ میں ادب، تاریخ، ڈرامہ اور فلسفہ کے علوم پیدا ہوئے۔ اب ریاست کی تاریخ بھی لکھی جانے لگی اور زبان قوم کی شناخت کا ایک اہم ذریعہ بن گئی۔ زبان کی لکھائی کی وجہ سے تہذیبوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا کہ جس نے تعلیم پر اپنا قبضہ جما لیا اور اس کی مدد سے وہ ایک مراعات یافتہ طبقہ ہو گیا جیسے ہندوستان میں برہمن۔

اب تک عام لوگوں کے لئے لکھنا پڑھنا سیکھنا اور تعلیم حاصل کرنا مشکل تھا۔ اس لئے صرف امراء یا پجاریوں کے لڑکے بھی اس کو حاصل کر سکتے تھے۔

سکہ کی ایجاد

لوہے کے سکّے

لوہے کے زمانے کی ایک اور اہم ایجاد سکّہ ہے۔ اب تک تجارت تبادلہ کے ذریعہ ہوتی تھی یعنی موچی جوتے بنا کر گندم کے عوض کسان کو دیتا تھا، لوہار اوزار بنا کر موچی سے جوتے یا کسان سے گندم لے لیتا تھا۔ اس لئے لین دین میں مشکلات تھیں۔ جن اشیاء کا تبادلہ کیا جاتا تھا ان کی قیمت مقرر کرنا مشکل تھا۔ سکّہ کی ایجاد نے ان مشکلات کو حل کیا۔ یہ سکّے تانبہ، سونے اور چاندی کی دھاتوں میں ڈھالے جاتے تھے۔ ان کی قیمت مقرر تھی۔ اس مقررہ قیمت پر خریدار اپنی ضرورت اور پسند کی چیزیں خرید لیتا تھا۔

دھات کے ڈھلے ان سکّوں کی ایک خرابی یہ تھی کہ ان میں ملاوٹ اور کھوٹ کی جاتی تھی۔ اس چیز کو دور کرنے کے لئے 800 ق۔م میں اشوری بادشاہوں نے سونے اور چاندی کی سلاخوں پر مہریں لگانا شروع کر دیں۔ ان سکّوں کے وزن اور اصلیت کی ذمہ داری اب ریاست کی ہوگئی۔

کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے سکّہ جاری کیا وہ لیڈیا کا بادشاہ کروس (قارون) تھا۔ یہ سکّے سونے اور چاندی کو ملا کر بنائے گئے تھے۔

600 ق۔م میں یونان کی ریاست ایتھنز نے تانبے اور چاندی کے چھوٹے سکّے جاری کئے، ریزگاری کی وجہ سے چھوٹے دوکانداروں کو فائدہ ہوا۔ جب اشیاء کے بدلے کی جگہ سکّے نے لے لی تو اس سے کسان اور کاریگر کو فائدہ ہوا۔ وہ اب اپنی زائد پیداوار کو بیچ کر پیسہ جمع کر سکتے تھے۔ لیکن جہاں سکّے نے تجارت اور لین دین میں سہولت پیدا کی، وہیں اس کے نتیجہ میں سودی کاروبار، رہن اور قرض کے مسائل بھی پیدا ہوئے۔

پرانے سکّوں کے چند نمونے

لوہے کے زمانے میں دنیا کے مختلف علاقوں میں ریاستوں کا وجود عمل میں آیا۔ ریاست کے اداروں میں فوج اور نوکر شاہی یا سرکاری عہدے داروں کا طبقہ اہم ادارے تھے۔ فوج کے پاس اب لوہے کے ہتھیار تھے جن کی مدد سے حکمران یا بادشاہ ایک طرف تو اپنی رعایا کو کنٹرول کر کے اسے اپنے ماتحت رکھتا تھا، دوسری طرف وہ ہمسایہ ریاستوں پر حملے کر کے ان کی زمینیں، مال اور لوگوں کو قیدی بناتا تھا۔ اس لئے اس زمانہ میں جنگ روزمرّہ کا معمول بن گئی تھی۔ یہ جنگیں اب بڑی خوں ریز اور ہولناک ہوتی تھیں۔ لوگوں کا قتل عام، شہروں کا جلایا جانا، عورتوں، بچوں، اور فوجیوں کو غلام بنانا دستور بن گیا تھا۔ جن ریاستوں کے پاس مضبوط اور طاقتور فوج تھی انہوں نے فتوحات کے ذریعہ بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں اور خود کو تاریخ میں عظیم فاتح کہلوایا۔

اس زمانے کے حکمران جنہوں نے بڑی سلطنتیں بنائیں، بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنے بسائے ہوئے شہروں کے محلات میں رہتے تھے۔ اپنے محلات، باغات، فرنیچر، زیورات اور ہتھیاروں کے لئے یہ بہترین کاریگر ملازم رکھتے تھے۔ ایران کے بادشاہ داریوش کا محل اس کی سلطنت کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے کاریگروں نے ہی بنایا تھا۔

چونکہ ان حکمرانوں کے پاس کسانوں کی زائد پیداوار اور جنگوں کے نتیجہ میں مال غنیمت آتا تھا، اس لئے انہوں نے ادب، آرٹ، تعمیرات، اور شہروں کی ترقی میں حصہ لیا۔ چونکہ طاقت حکمران اور امراء کے پاس تھی اس لئے ریاست اور اس کے اداروں سے انہیں ہی فائدہ تھا۔ رعایا غربت اور مفلسی کی حالت میں کسمپرسی کی زندگی گزارتی تھی۔

اسی زمانے میں کچھ تہذیبوں میں مختلف سیاسی نظاموں کا تجربہ بھی ہوا۔ جیسے جمہوریت، چندسری (یعنی چند افراد پر مشتمل حکومت) اور بادشاہت۔ مگر زیادہ تر طرزِ حکومت بادشاہت کا ہی رہا۔

پرانے زمانے کے تباہ شدہ محل کے آثار

سماج کی تقسیم

ایک اہم تبدیلی سماج کی تقسیم تھی یہ مختلف طبقوں میں بٹ گیا یعنی طاقت وراور حکمراں ایک طرف اور کمزوراورغریب دوسری طرف۔ خاص بات یہ تھی کہ وہ لوگ کہ جو پیداوار میں حصہ لیتے تھے، جیسے کسان اور کاریگر۔ ان کا سماجی رتبہ سب سے کم ہوگیا۔ اب ہاتھ سے کام کرنا ذلت کا باعث ہوگیا۔ یعنی جو کام نہیں کرتے تھے وہ باعزت اور قابل احترام تھے، اور جو کھیتوں میں، کانوں میں، اور دکانوں میں کام کرتے تھے وہ کمین ہو گئے، اوران کی محنت کی کمائی پر طاقت ورلوگوں نے قبضہ کرنا اوراسے ہتھیانا شروع کردیا۔

ان پسے ہوئے لوگوں میں سب سے گرا ہوا طبقہ غلاموں کا تھا۔ یہ جنگی قیدی بھی ہوتے تھے، اور وہ لوگ بھی کہ جو قرض ادانہیں کرسکے تھے اور سزا کے طور پر غلام بنالئے گئے تھے۔ یہ غلام بغیر کسی معاوضہ کے کھیتوں، کانوں اور ورکشاپوں میں کام کرتے تھے۔ انہیں فوج میں بھرتی کر کے لڑایا بھی جاتا تھا۔

اس غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے سماج میں ہم آہنگی نہیں تھی۔ کسان اور غلام اکثر بغاوتیں کرتے رہتے تھے جنہیں سختی سے کچل دیا جاتا تھا۔

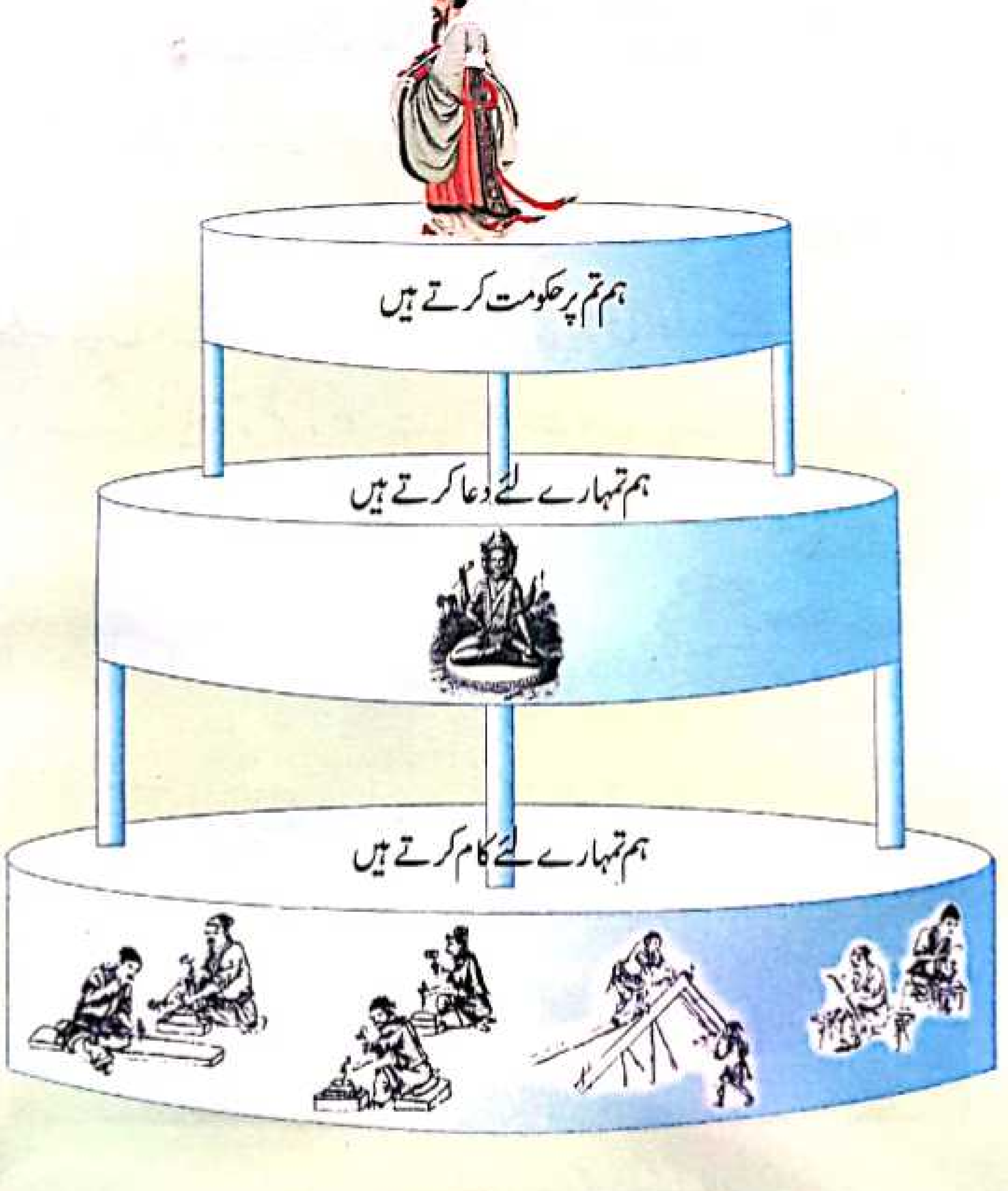

دوسرا باب

ہندوستان کی ویدک تہذیب

ہندوستان میں آریاؤں کی آمد

قدیم زمانے میں لوگ غذا اور زمین کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے تھے۔ موسموں کی خرابی، گروہوں اور قبیلوں کی آپس کی لڑائیاں بھی انہیں مجبور کرتی تھیں کہ وہ نئی جگہوں کو تلاش کر کے وہاں آباد ہوں۔ اس لئے کانسی اور لوہے کے زمانے کے آتے آتے لوگوں کی ہجرت بڑھ گئی کیونکہ اب ان کے پاس سواری کے لئے گاڑیاں تھیں، مویشی تھے، اور وہ دنیا کے دوسرے علاقوں سے تھوڑا بہت واقف ہو چکے تھے۔ تاریخ میں 2000 ق۔م کے قریب آریاؤں کی ہجرت شروع ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کیسپین سمندر کے علاقے سے ایشیا اور یورپ کے مختلف حصوں میں گئے۔ اس لئے انہیں انڈو۔ یورپین کہا جاتا ہے۔

1500 ق۔م میں یہ ہندوستان آنا شروع ہوئے۔ ہندوستان یہ ایران اور افغانستان کے راستے ہوتے ہوئے آئے۔ جس زمانہ میں ان کا یہاں آنا ہوا، وہ اس لحاظ سے اہم تھا، کیونکہ 1750 ق۔م سے وادیء سندھ کی تہذیب کا زوال ہو رہا تھا۔ اس لئے یہاں ایسی کوئی طاقت نہیں تھی کہ جو آریاؤں کی آمد کو روک سکے۔ ویسے بھی پرانے زمانہ میں آبادی کم تھی، زمین بہت تھی۔ اس لئے نئے آنے والوں کے لئے یہاں آ کر آباد ہونا مشکل نہیں تھا۔

اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ آریا ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور انہوں نے مقامی باشندوں کو مار مار کر پیچھے دھکیل دیا۔ لیکن اب جو نئی تحقیق ہوئی ہے اس میں آریا حملہ آور نہیں بلکہ یہ ایسے گروہ یا جماعتیں تھیں کہ جو وقتاً فوقتاً یہاں آئے اور یہاں آ کر آباد ہوئے۔

آج کل کچھ مورخوں اور سیاستدانوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ آریا کہیں سے نہیں آئے تھے بلکہ یہ ہندوستان کے مقامی باشندے تھے اور یہاں سے یہ لوگ دوسرے علاقوں میں گئے۔ اس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ہندوستان پر ہمیشہ باہر سے آنے والوں نے حکومت نہیں کی ہے۔ لیکن اس نظریہ کے بارے میں شواہد اور دلائل نہیں ہیں اس لئے ماہرین اس کو رد کرتے ہیں۔

آریا کی تعریف

آریا کا لفظ زبان اور نسل دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سنسکرت میں اس کے معنی شریف اور اعلیٰ مرتبہ کے شخص کے لئے ہیں۔ اس وجہ سے یہ ان لوگوں کے لئے استعمال ہوا کہ جن کا تعلق ایک خاص نسل سے تھا۔ ماہرین کی رائے کے مطابق یہ لفظ قدیم ایرانی زبان ''اے ریا'' سے نکلا ہے جو زرتشی مذہب کی مقدس کتاب ''اوستا'' میں ہے۔ بعد میں یہ آریاؤں کے لئے بولا جانے لگا۔

چونکہ ہندوستان میں آنے سے آریاؤں کی مذہبی کتابوں ''ویدوں'' کا ان کی تہذیب و رہن سہن پر بہت اثر رہا، اس لئے آریاؤں کے اس زمانہ کو ''ویدک'' کہا جاتا ہے۔ اسے مورخین دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اول 1500 سے 800 ق۔م تک ہے۔ دوسرا 800 سے 500 ق۔م تک۔ اس دوران ان کے آباد ہونے، ان کے مذہبی خیالات کے بننے، اور ان کی سماجی و معاشی زندگی کے بارے میں ذکر ہمیں ویدوں، اور دوسری لکھی جانے والی کتابوں سے ملتا ہے۔

اپنے ابتدائی زمانے میں یہ لوگ موجودہ پنجاب میں آ کر آباد ہوئے، پہلی وید ''رگ وید'' یہیں پر لکھی گئی مگر آہستہ آہستہ یہ وادی سندھ سے آگے بڑھتے گئے، اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ان کا مقامی باشندوں سے تصادم، فطرت کی سختیاں، آپس کی لڑائیاں اور خاص طور سے ایران کا پنجاب اور سندھ پر قبضہ۔ اس لئے آریا یہاں سے وادی گنگا و جمنا کی وادیوں میں جا کر آباد ہوئے اور دیکھا جائے تو یہیں پر ان کے مذہبی عقیدے پختہ ہوئے، یہاں انہوں نے چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم کیں اور ایک تہذیب و کلچر کو پیدا کیا جو کہ مقامی رسم و رواج کے ملاپ کا نتیجہ تھا۔

ویدوں میں سب سے پہلے جو وید لکھی گئی وہ رگ وید تھی۔ رگ کے معنی ہیں ''تعریف'' اور وید کہتے ہیں ''علم'' کو۔ لہٰذا رگ وید علم کی تعریف ہوئی۔ یہ سنسکرت زبان میں لکھی گئی اس کے بارے میں قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ 1100 یا 1000 ق۔م میں لکھی گئی، چونکہ یہ زبان بہت پرانی ہے اس لئے اس کے بہت سے الفاظ آج کل سمجھ میں نہیں آتے ہیں۔ ان اشلوکوں کو ''سوکت'' کہتے ہیں جس کے معنی ہیں ''اچھی طرح سے بولا گیا'' یہ اشلوک رشیوں اور فلسفیوں نے لکھے تھے۔ ان میں سے 15 اشلوک عورتوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ باقی مردوں کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ حصے شودر ذات کے لوگوں کے بھی لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے اشلوک مذہبی سے زیادہ فتح، دولت اور کھانے پینے سے متعلق ہیں۔

رگ وید کے ان اشلوکوں میں بات چیت کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ایک سوال پوچھا جاتا ہے پھر اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ چونکہ ان اشلوکوں کو زبانی یاد کرنا ہوتا تھا، اس لئے ان کی زبان شاعرانہ اور مترنم ہے۔ برہمن ان اشلوکوں کو زبانی یاد کرتے تھے تاکہ یہ روایات محفوظ رہیں ان کو مختلف رسومات کے موقعوں پر پڑھا جاتا ہے اور اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان کی درست اور صحیح ادائیگی ہوتا کہ یہ اپنی اصلی شکل میں باقی رہیں۔

رگ وید کے بعد تین اور وید ہیں۔ سام وید، یجر وید، اور اتھر وید۔ ان تین ویدوں میں زیادہ تر مذہبی رسومات کے بارے میں اشلوک اور بھجن ہیں۔

رگ وید کے اشلوک جن کی وضاحت تصاویر سے کی گئی ہے

ویدوں کے علاوہ ویدک دور میں اور بھی مذہبی کتابیں لکھی گئیں۔ان میں کچھ نے ویدوں کو نئے معنوں کے ساتھ بیان کیا اور کچھ نے حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ، وقت کے مطابق مذہب کو نئے رنگ میں پیش کیا۔لہٰذا برہمنوں نے جو کہ پجاریوں کے طبقہ کی حیثیت سے ابھر کر آیا تھا، اب یہ ان کے مفاد میں تھا کہ مذہب کے علم کو اپنے تک محدود رکھیں تا کہ سماج کو ان کی ضرورت رہے۔اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ مذہب کو مشکل اور پیچیدہ بنایا جائے اور ایسی رسومات شروع کی جائیں کہ جو ان کے بغیر نہ ہوں۔اس لئے انہوں نے ویدوں کی عبارت کو پڑھنے اور ان کی ادائیگی کے اصول مقرر کئے۔ یہ کتابیں انہوں نے نثر میں لکھیں اور ویدوں میں دیئے گئے اشلوکوں کی تفسیر بیان کی۔ یہ کتابیں برہمنوں نے لکھیں، اور برہمن ہی کہلاتی تھیں۔ان کے لکھے جانے کا عرصہ 600 سے 200ق۔م ہے۔

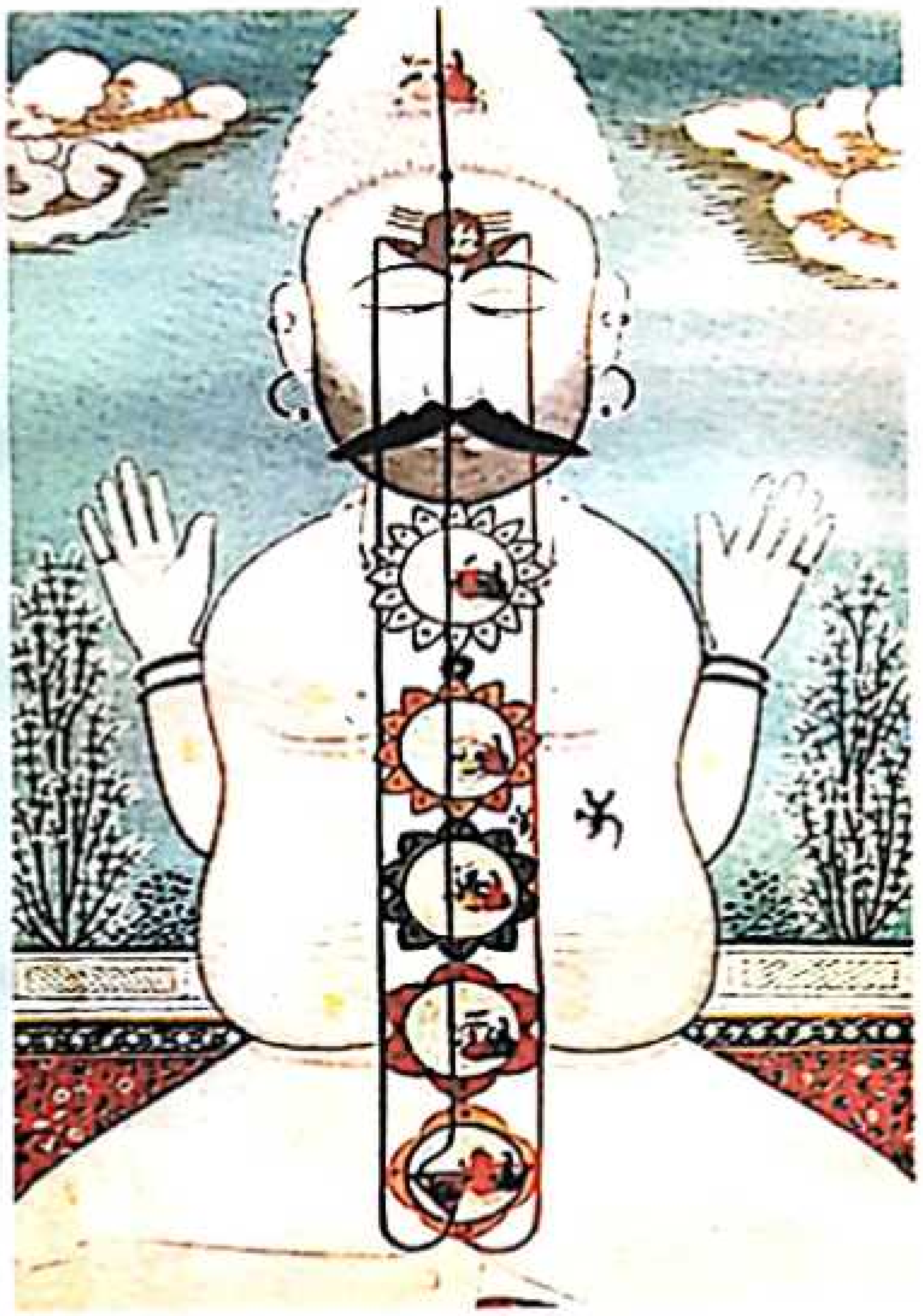

برہمن گیان دھیان کی حالت میں

ان میں جن موضوعات پر بحث کی گئی ہے وہ یہ کہ انسان بار بار نیا جنم لیتا ہے۔ یہ دنیا ناپائیدار ہے، اس لئے انسان کو اپنی نجات کی فکر کرنی چاہیئے۔

برہمن کی ایک کتاب جو ''آرن یک'' کہلاتی ہے اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اسے صرف جنگلوں کی خاموشی اور تنہائی میں پڑھنا چاہیئے۔لہٰذا وہ لوگ جو زندگی سے سنیاس لے لیتے ہیں اور جنگلوں و پہاڑوں میں چلے جاتے ہیں، ان کے لئے یہ تحریریں ہیں۔

اپنشد کے معنی ہیں ''کسی کے قریب بیٹھنا'' اس میں وہ اسباق (سبق کی جمع) شامل ہیں کہ جو استاد شاگرد کو پڑھاتا تھا۔ اُن سبقوں میں فلسفیانہ مسائل اور آرن یک کی وضاحت کی گئی ہے۔ جن موضوعات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے یہ ہیں کہ ایک فرد کس طرح سے اپنی روح کو آفاقی روح سے ملائے۔ اس دنیا میں فرد کا کام یہ ہے کہ وہ سچائی کی تلاش کرے، کیونکہ اس کے پانے کے بعد ہی اس کی روح کو نجات ملے گی۔

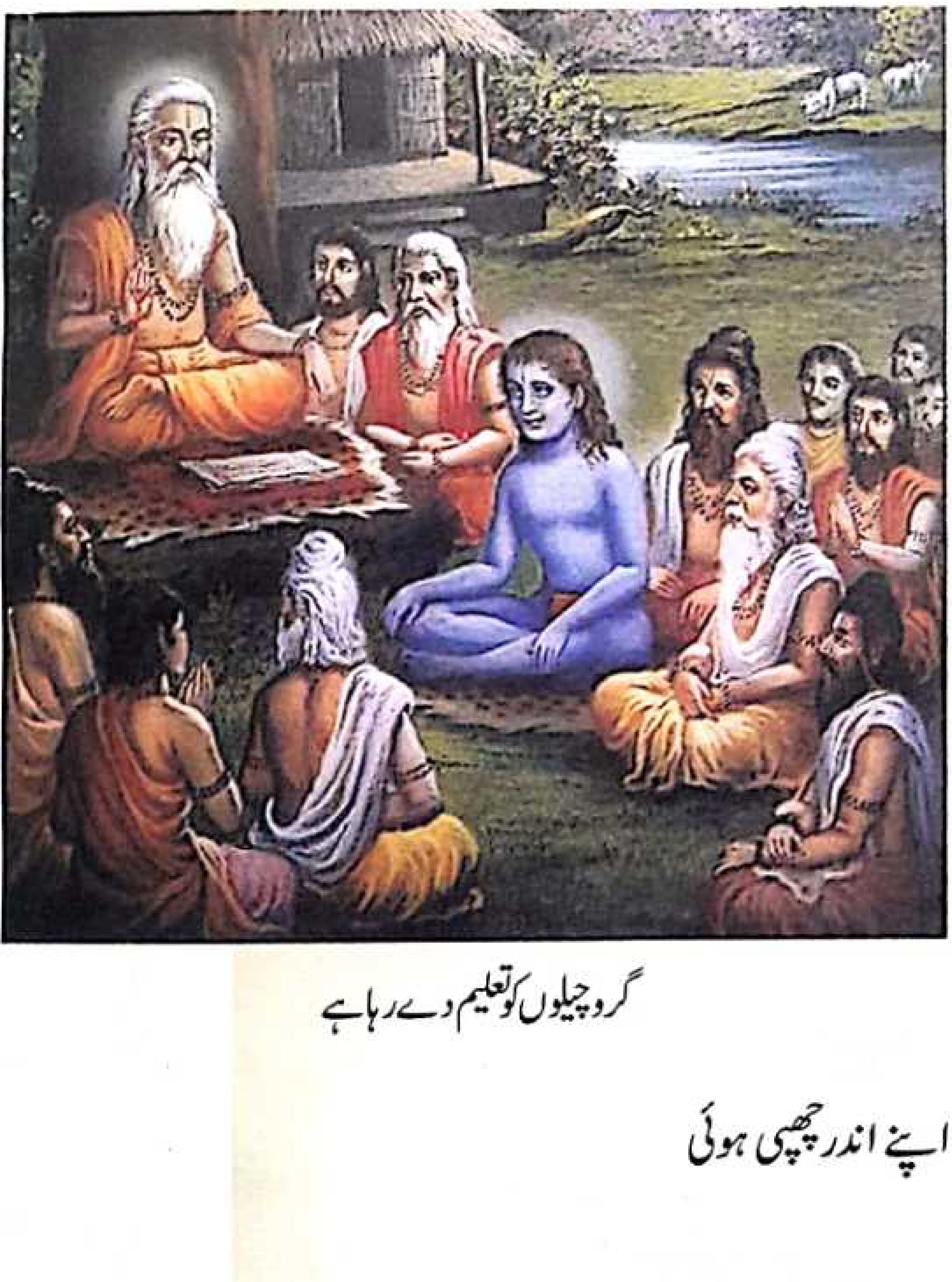

گرو چیلوں کو تعلیم دے رہا ہے

اپنشد کا طرز تحریر یہ ہے کہ اس میں باب بیٹے سے، شوہر بیوی سے، برہمن کشتری سے بات چیت کرتے تھے۔ ان بحثوں میں حصہ لینے والے راجہ، برہمن، کبھی کبھی عورتیں اور غریب لوگ بھی شامل ہوتے تھے۔ ان بحثوں کی ایک مثال یہ ہے:

باپ نے کہا: اس نمک کو پانی میں ڈال دو اور مجھ سے صبح ملو۔ بیٹے نے ایسا ہی کیا جیسا اس سے کہا گیا تھا۔

باپ نے کہا: نمک لے کر آؤ۔

بیٹے نے نمک ڈھونڈا، مگر اسے نمک نہیں ملا کیونکہ نمک پانی میں گھل چکا تھا۔

باپ نے کہا: اس پانی کو چکھو اور بتاؤ کیا ذائقہ ہے؟

بیٹے نے جواب دیا: نمکین ہے۔

تب باپ نے کہا: پانی میں گھلے ہوئے نمک کی طرح تم اپنے اندر چھپی ہوئی حقیقت یا سچائی کو نہیں دیکھ سکتے ہو۔

کہا جاتا ہے کہ ان کی کل تعداد 150 ہے، مگر 108 کو اصلی مانا جاتا ہے۔

پران

یہ قدیم گیتوں کے مجموعے ہیں جن میں بادشاہوں اور رشیوں کے حالات مذکور ہیں۔ ساتھ ہی ان میں عبادت، ریاضت، مذہبی رسم ورواج وتہواروں اور سماجی رسومات کے بارے میں ذکر ہے۔ ان تحریروں کو بھی بات چیت کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ گرواور چیلے کے درمیان گفتگو ہے۔ چیلہ گرو سے سوال کرتا ہے جس کا وہ جواب دیتا ہے۔

پجاری نذرانوں کے ساتھ

اس طرح ان میں کہانیاں، قصے، دیومالائی باتیں، اور فلسفیانہ مسائل ہیں۔ یہ کب لکھی گئیں؟ اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا ہے، مگر کچھ ماہرین اسے 5 صدی ق۔م کا زمانہ قرار دیتے ہیں۔ اس میں تاریخی لحاظ سے بھی کچھ مواد ملتا ہے۔ خاص طور سے ابتدائی ویدک دور کے بارے میں ان میں معلومات ہیں۔ ان کا ایک دلچسپ موضوع سلطنتوں کا عروج وزوال اور نیکی وبدی کے درمیان کش مکش ہے۔

دیے جو کہ ہندو تہواروں کا اہم حصہ سمجھے جاتے ہیں

یہ ایک طویل رزمیہ ہے جسے ویاس نے مرتب کیا۔ یہ مختلف واقعات کا مجموعہ ہے جنہیں ایک کہانی میں جوڑا گیا ہے۔ کہانی یوں شروع ہوتی ہے کہ 5 پانڈوؤں کا اپنے چچازاد کوروبھائیوں سے جن کی تعداد 100 ہے زمین پر جھگڑا ہوا۔ لیکن اس جھگڑے نے اس وقت ڈرامائی شکل اختیار کر لی کہ جب جوئے میں پانڈو اپنی سلطنت اور اپنی مشترکہ بیوی درو پدی (پانچوں بھائیوں کی ایک بیوی تھی) کو کوروؤں سے ہار جاتے ہیں۔ شرط کے مطابق انہیں 13 سال کے لئے جلاوطن کر دیا جاتا ہے۔ جب وقت پورا کر کے وہ آتے ہیں اور اپنی سلطنت کا مطالبہ کرتے ہیں تو کورو انکار کر دیتے ہیں۔ اس پر ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک بڑی جنگ ہوتی ہے، جس میں تمام ہندوستان کے راجہ کسی نہ کسی ایک فریق کے ساتھ جنگ میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ جنگ کرک شیتر کے مقام پر ہوئی جو کہ دہلی کے شمال میں ہے۔ 18 دن کی اس جنگ میں ہزارہا لوگ مارے جاتے ہیں، مگر بالآخر فتح پانڈوؤں کی ہوتی ہے۔ فتح کی وجہ ان کی بہادری نہیں تھی، بلکہ ان کا جائز حق تھا جس کی وجہ سے وہ کامیاب ہوئے۔

مہابھارت کی اس کہانی کو 100,000 اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔ واقعات کو 8 حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ کہانی سنسکرت زبان میں ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس میں 1000 سے 700 ق۔م کے درمیان ہونے والے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

مہابھارت کی جنگ کا ایک منظر

بھگوت گیتا

مہابھارت کا چھٹا حصہ بھگوت گیتا کہلاتا ہے۔جس کے معنی ہیں ''خدا کا گیت'' اس میں 7000 اشعار ہیں جنہیں 18 حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔اسے ارجن پانڈو اور کرشن کے درمیان مکالمے یا بات چیت کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔اس جنگ میں مہاراج کرشن ارجن کے رتھ بان تھے۔جنگ کے وقت جب ارجن نے دیکھا کہ اس کے مقابلے میں اس کے رشتہ دار اور اس کا استاد بھی ہے تو اس نے کرشن سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں کیسے اپنے رشتہ داروں اور استاد سے لڑوں اور ان کو قتل کروں۔کرشن اس سے کہتے ہیں کہ کشتری ہونے کی حیثیت سے جنگ کرنا اور لڑنا اس کا فرض ہے، لہٰذا اوّل تو اسے نتائج کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔دوسرے اگر کسی کو قتل کر دیا جائے تو اس سے اس کا جسم تو ختم ہو جائے گا مگر اس کی روح زندہ رہے گی جو دوسرا جنم لے گی۔اس لئے قتل کرنا زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ بھگوت گیتا میں مراقبہ، یوگا، علم، نیکی، دیوتاؤں سے لگاؤ اور دوسرے فلسفیانہ مسائل ہیں۔اس وجہ سے ہندو مذہب میں اسے مقدس کتاب کا درجہ ملا ہوا ہے۔

مہاراج کرشن ارجن کو بھاشن دیتے ہوئے

رامائن

رام اور سیتا جنگل میں

رامائن کی کہانی رام اور سیتا کی ہے جسے والمیکی نے سنسکرت میں لکھا ہے۔ کہانی اس طرح سے ہے کہ رام ایودھیا کے بادشاہ دسترتھ کا بڑا لڑکا تھا، اس لئے اسے تخت کا وارث بنا دیا گیا تھا۔ یہ اپنی عقل مندی، بہادری اور رحم دلی کی وجہ سے رعایا میں مقبول تھا۔ لیکن حالات نے اس وقت پلٹا کھایا کہ جب راجہ کی چھوٹی بیوی نے اپنے بیٹے بھارت کو جانشین کروا دیا اور رام کو 14 سال کا بن باس کرنا پڑا۔ رام کے ساتھ اس جلاوطنی میں ان کی بیوی سیتا اور بھائی لکشمن بھی تھے۔ بن باس کا زمانہ انہوں نے سادھو بن کر جنگلوں میں گزارا۔ اس عرصہ میں بھارت خود تخت پر نہیں بیٹھا، بلکہ اس نے رام کے جوتے بطور نشانی تخت پر رکھ دیئے اور ان کا انتظار کرنے لگا۔

کہانی اس وقت ڈرامہ بنتی ہے کہ جب لنکا کے راجہ راون نے سیتا کو اغوا کر لیا۔ اس وقت بندروں کے سردار ہنومان نے رام کا ساتھ دیا، جنگ میں راون مارا گیا اور سیتا واپس اپنے شوہر کے پاس آ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ رام کو سیتا کی پاک دامنی پر شبہ تھا۔ اس لئے سیتا نے دعا مانگی کہ اس کی عزت بچانے کی خاطر دیوتا اس کی مدد کریں۔ کہتے ہیں کہ اس پر زمین پھٹ گئی اور سیتا اس میں سما گئی۔ اس کے بعد سے سیتا ہندو سماج میں عزت وعظمت کی دیوی مانی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رام کا راج عدل وانصاف پر تھا۔ اس لئے موجودہ زمانے میں ہندو سیاستداں ''رام راجیہ'' کو دوبارہ سے واپس لانے کی بات کرتے ہیں۔

آریا اور مقامی باشندے

آریا و مقامی باشندوں کے درمیان ملاپ

رگ وید میں یہ ذکر ہے کہ آریاؤں نے کیسے دریا پار کئے اور پھر ''داسیوں'' یا ''داسوں'' کی زمین پر قبضہ کیا۔ تاریخ میں یہ بار بار ہوا ہے کہ جب بھی بڑے گروہ یا جماعتیں ہجرت کر کے کسی دوسرے کے علاقہ میں جاتی ہیں تو اس کے نتیجہ میں ثقافتی تصادم بھی ہوتا ہے اور جنگیں بھی ہوتی ہیں۔ جب آریاؤں کے گروہ ہندوستان میں آنا شروع ہوئے تو وہ خانہ بدوش اور مویشی پالنے والے لوگ تھے، جب کہ ہندوستان کے مقامی باشندے جن کا تعلق وادی سندھ سے تھا یہ مہذب، متمدن، اور شہری لوگ تھے۔ مگر جب لڑائیاں یا تصادم ہوئے تو ان میں آریا فتح مند رہے۔ مقامی باشندے پناہ لینے کی غرض سے جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے گئے۔ ان میں سے کچھ آریاؤں کے سماج میں مل گئے، کچھ کو کم ذات کا بنا کر، یا غلام کی حیثیت دے کر گرا دیا گیا۔

اس تصادم اور کش مکش میں آریاؤں نے اپنے مقابل لوگوں کو یعنی دراوڑوں کو کالا، چپٹی ناک والا، اور دشمن کہا ہے۔ انہیں ''داس'' کہہ کر پکارا ہے جس کے معنی ہیں غلام۔ انہیں اس لئے بھی برا کہا گیا ہے کیونکہ یہ آریاؤں کے دیوتاؤں کے بجائے اپنی دیوی، دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔

مقامی باشندوں سے ان جنگوں کے نتیجہ میں اندر دیوتا اہم بن کر ابھرتا ہے۔ رگ وید میں اس کی تعریف کی گئی ہے کہ اس نے قلعوں کو مسمار کیا، دریاؤں کے بند توڑے، اور دشمنوں کو شکست دی۔ لیکن جب آریاؤں اور مقامی باشندوں میں آہستہ آہستہ میل ملاپ ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں ایک ملا جلا کلچر پیدا ہوا تو اندر دیوتا کی بھی اہمیت نہیں رہی۔ اب ایسے دیوتاؤں اور دیویوں کی ضرورت تھی جو امن و امان اور مل جل کر رہنے میں مدد کریں۔

آریا سماج: مویشی پالنا اور کھیتی باڑی

آریائی لوگ خانہ بدوش، مویشی پالنے والے، اور کھیتی باڑی کرنے والے تھے۔ اس لئے جب یہ ہندوستان میں آئے تو قبیلوں کی شکل میں آ کر گاؤں میں آباد ہوئے۔ قبیلہ بڑا یونٹ تھا جب کہ خاندان اس کا حصہ ہوا کرتا تھا۔ خاندان میں باپ سربراہ ہوتا تھا، خاندان کی خوش حالی کی علامت یہ تھی کہ اس کے گھر میں کتنے لڑکے ہیں۔

آثارِ قدیمہ سے پتہ چلا ہے کہ ابتدائی گاؤں میں لوگ برابر مکانوں میں رہتے تھے۔ اناج کا ذخیرہ رکھتے تھے، اور کھانا پکانا سب مل کر کرتے تھے۔ کسی قبیلہ یا خاندان کی دولت کا اندازہ اس کے مویشیوں کی تعداد پر ہوا کرتا تھا۔ ان میں بیل، گائے، بھینس، اونٹ، بھیڑیں، اور گھوڑے تھے۔

700 ق۔م میں جب لوہے کے اوزار آئے تو انہوں نے کھیتی باڑی میں مدد کی۔ ان کی مدد سے جنگلوں کو صاف کر کے زمین کو کھیتی باڑی کے لئے تیار کیا۔ دوسرے طریقے میں پیڑوں، پودوں اور گھاس پھوس کو آگ لگا کر جلا دیا جاتا تھا، اس کے بعد جنگل بھی صاف ہو جاتا تھا اور جلا ہوا مواد کھاد کا کام کرتا تھا۔ اسے کچھ عرصہ کے لئے ایسے چھوڑ دیا جاتا تھا پھر اسے کھیتی باڑی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

آب پاشی کے لئے کنویں سے پانی حاصل کیا جاتا تھا۔

فصلوں میں چاول، باجرا، دالیں، چنا اور گندم تھیں۔ غذا کے لئے جانوروں کا شکار بھی کیا جاتا تھا اور مچھلیوں کو بھی پکڑتے تھے۔

ابھی شہر وجود میں نہیں آئے تھے۔ گاؤں سے بڑھ کر شاید چھوٹے قصبے ضرور آباد ہو گئے تھے جنہیں فصیلیں بنا کر محفوظ رکھا جاتا تھا۔

گائے اور بھینس جنہیں پال کر ان کے دودھ اور گوشت کو بطور غذا استعمال کیا گیا

اندر دیوتا

آریا فطرت اور اس کے مظاہر کی پوجا کرتے تھے۔ ابتداء میں ان کا بڑا دیوتا اندر تھا، جو جنگ کا دیوتا تھا، مگر آہستہ آہستہ جب یہ آباد ہونا شروع ہوئے، کھیتی باڑی شروع کی، تو اب انہیں دوسرے دیوتاؤں کی ضرورت تھی۔ اس لئے اگنی یا آگ کا دیوتا ابھرا، کیونکہ آگ کی روزمرہ کی زندگی میں اہمیت ہوگئی تھی۔ سوریہ، سورج کا دیوتا، کیونکہ سورج کی گرمی فصلوں کو پکانے کے لئے ضروری تھی۔ یہ رات کی تاریکی کو ختم کر کے دن کی روشنی بھی لاتا تھا۔ متر، آسمان کا دیوتا، اس وقت یہ خیال تھا کہ دیوتا زمین سے دور آسمانوں اور پہاڑوں پر رہتے ہیں۔ ورونہ، ہوا کا دیوتا، کیونکہ اس کے بغیر زندگی ممکن نہیں تھی۔ اب تک آریاؤں میں نہ تو یہ عقیدہ آیا تھا کہ انسان بار بار جنم لیتا ہے۔ نہ ہی بت پرستی تھی۔ مردوں کو دفن بھی کیا جاتا تھا اور جلایا بھی جاتا تھا۔ اجتماعی قبریں بھی آثار قدیمہ میں ملی ہیں، جن میں ایک ہی خاندان کے لوگوں کو دفن کر دیا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ ان کی ضرورت کا سامان بھی ہوتا تھا۔ اس سامان سے مردے کی سماجی حالت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ امیر تھا یا غریب۔

سوریہ دیوتا

اگنی دیوی

کاریگر

بڑھئی کے بنائے ہوئے لکڑی کے پتلے

جب سماج ترقی کرتا ہے تو اس کی ضروریات بھی بڑھ جاتی ہیں۔ مکان، فرنیچر، گاڑی، روزمرہ کے استعمال کی چیزیں، اوزار اور ہتھیار۔ اب ان چیزوں کو بنانے کے لئے پیشہ ور کاریگر وجود میں آتے ہیں کہ جو اپنے فن میں نئی نئی ایجادات کرتے ہیں اور لوگوں کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ ابتداء میں کاریگروں کی بنائی ہوئی اشیاء سیدھی سادھی ہوا کرتی ہیں، مگر جب سماج میں امیر وغریب کا فرق آ جاتا ہے تو ان کی بنائی ہوئی چیزیں بھی اب اس فرق کو ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً غریب کے لئے سادہ برتن جو سستا ہو، وہ بنایا جاتا ہے۔ جبکہ امراء کے لئے اسی برتن پر نقش ونگار بنا کر اسے خوبصورت کر دیا جاتا ہے۔

دوسرے جیسے جیسے نئی دھاتیں آتی گئیں، اوزار، ہتھیار، اور اشیاء بدلتی رہیں، خاص طور سے لوہے کے اوزاروں کی مدد سے کاریگروں نے جو چیزیں بنائیں وہ زیادہ مضبوط اور پائیدار تھیں۔ آریا سماج میں ہمیں جن کاریگروں کا پتہ چلتا ہے ان میں لوہار، جولاہا، بڑھئی، کمہار اور سنار شامل ہیں۔

بڑھئی

کاریگروں کے علاوہ ہمیں شکاریوں، چرواہوں، تاجروں، نجومیوں اور حکیموں کے بارے میں بھی معلومات ملتی ہیں۔ حکیم یا طبیب جڑی بوٹیوں اور جادوٹونے دونوں طرح سے لوگوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر گاؤں میں یہ کاریگر موجود ہوتے تھے جو وہاں کے رہنے والوں کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔

جنگ

آریاؤں نے ابتداء میں مقامی باشندوں سے جنگیں لڑیں، لیکن جب وہ خود مختلف قبیلوں کی شکل میں آباد ہوئے اور کھیتی باڑی شروع کی تو اب ان میں آپس میں لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ یہ لڑائیاں زمین، پانی اور مویشیوں کی خاطر لڑی جاتی تھیں۔ چونکہ کسی کے پاس مستقل فوج نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس لئے قبیلہ کے مردوں کو جنگ میں حصہ لینا پڑتا تھا۔ جنگ اور صلح کے فیصلے ''سبھا'' یا قبیلہ کی اسمبلی میں ہوا کرتے تھے۔ جو جنگ لڑنے میں ماہر ہوتے تھے انہیں سردار چن لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد رسومات کے ذریعہ دیوتاؤں سے فتح کی دعا مانگی جاتی تھی۔

جنگ کے بعد اگر فتح ہوتی تھی تو مال غنیمت بانٹ لیا جاتا تھا، سورماؤں اور پجاریوں کو زیادہ حصہ ملتا تھا۔ عورتوں کو کنیزیں بنا کر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جنگ جیتنے والے اپنے سورماؤں کی تعریف میں قصے، کہانیاں سنا کر لوگوں کو آنے والی جنگوں کے لئے تیار کرتے تھے۔ جنگ کو اس لئے ضروری سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کے ذریعہ ہی آخری فیصلہ ہوتا تھا۔

جنگ کا ایک منظر

ذات پات

جب بھی کوئی تہذیب ترقی کرتی ہے تو اس میں سماجی طور پر طبقات پیدا ہوتے ہیں۔ امیر اور جائیداد والے اپنی دولت، اقتدار اور طاقت کی وجہ سے دوسروں سے اہم اور ممتاز ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس دولت و جائیداد نہیں ہوتی ہے وہ مفلس، غریب اور بے بس ہو جاتے ہیں۔ یہ تقسیم معاشرہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اگر کوئی اونچے خاندان میں پیدا ہوتا ہے تو وہ پیدائشی طور پر دوسروں سے برتر ہو جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں ذات پات ایک دوسرے قسم کا نظام تھا جو ہندوستان میں آریاؤں نے شروع کیا اور پھر یہ آہستہ آہستہ مضبوط ہوتا چلا گیا۔ اس میں فرد کا تعلق پیدائشی طور پر کسی ایک ذات سے ہوتا تھا اور وہ اس کو تبدیل نہیں کر سکتا تھا، اسے اسی ذات میں رہنا پڑتا تھا۔

ذات پات کی تاریخ کو اگر دیکھا جائے تو اول ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ابتداء میں آریاؤں نے اپنے اور مقامی لوگوں کے درمیان رنگ (ورن) کی بنیاد پر فرق قائم کیا۔ آریا چونکہ صاف رنگ کے تھے اور مقامی باشندے کالے، اس لئے رنگ نے ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ لیکن جب یہ وادیءگنگا میں گئے تو وہاں جا کر ذات پات کا نظام مضبوطی کے ساتھ قائم ہوا۔ اس میں تقسیم در تقسیم ہوتی چلی گئی اور آگے چل کر ذات کا تعلق پیشہ سے ہو گیا۔ ہندی میں اس کے لئے ''جاتی'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، جس کے معنی میں ''پیدا ہونا'' جو جس ذات اور پیشہ والے گھر میں پیدا ہو گیا، اب زندگی بھر اسے اسی سے وابستہ رہنا ہوگا ذات پات کے اس نظام کو مستحکم بنانے کی خاطر اسے مذہبی کر دیا گیا۔ اب کسی کی روح کی نجات اس پر تھی کہ وہ اپنی ذات سے وفادار رہے۔ اگر اس نے اپنی ذات سے باہر آنے کی کوشش کی یا اس کے اصولوں کی خلاف ورزی کی تو اس صورت میں اس کی روح بار بار جنم لیتی رہے گی اور اسے نجات نہیں ملے گی۔ اسے وہ ذات کا دھرم کہتے ہیں۔

بعض مورخ ذات پات کے اس نظام کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے صدیوں ہندو سماج میں ہم آہنگی رکھی اور طبقاتی کش مکش نہیں ہونے دی۔ لیکن کچھ مورخ اس پر تنقید کرتے ہیں کہ اس نظام کی وجہ سے ہندو سماج آگے نہیں بڑھ سکا اور اس نے ترقی نہیں کی۔

ہندو سماج میں چار ذاتیں ہیں۔ برہمن، کشتری، ویش اور شودر۔ اگرچہ ان چار ذاتوں کے اندر پھر اور تقسیم در تقسیم ہے۔ ابتدائی دور میں جب مقامی باشندوں سے جنگیں لڑی جاتی تھیں تو اس وقت جنگجو لوگوں کی زیادہ عزت تھی۔ مگر جب امن و امان کا زمانہ آیا اور مذہبی رسومات شروع ہوئیں تو برہمن زیادہ اہم ہو گئے۔ لیکن اب تک ذات پات کا نظام زیادہ سخت نہیں تھا، لوگ ایک ذات سے دوسری ذات میں آ جا سکتے تھے۔ مگر آہستہ آہستہ اس میں سختی آتی چلی گئی اور برہمنوں نے ذات پات کے نظام کو پختہ کر کے اس میں خود کو دوسری ذاتوں سے بلند و بالا کر لیا۔

برہمن کا مطلب پجاری ہے۔ یہ ان کتابوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے کہ جن میں رسومات کے لئے دعائیں ہیں۔ برہمن ذات کا اثر و رسوخ اس وقت بڑھنا شروع ہوا کہ جب آریا آباد ہوئے اور کھیتی باڑی کرنے لگے۔ اب انہیں فطرت کا محتاج ہونا پڑا: جیسے بارش، سورج اور آگ۔ ان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے قربانیوں کی رسومات کی ضرورت ہوئی۔ اس نے پجاریوں یا برہمنوں کے گروہ کو پیدا کیا جو اشلوک، بھجن اور گیت زبانی یاد کرتے تھے اور رسومات کے وقت ادا کرتے تھے۔ اس طرح یہ فصلوں، مویشیوں، اور راجہ و پرجا کو دیوتاؤں کے عذاب سے بچاتے تھے۔ اس کے عوض راجہ برہمنوں کو گھوڑے، مویشی اور کنیزیں بطور نذر دیا کرتے تھے۔

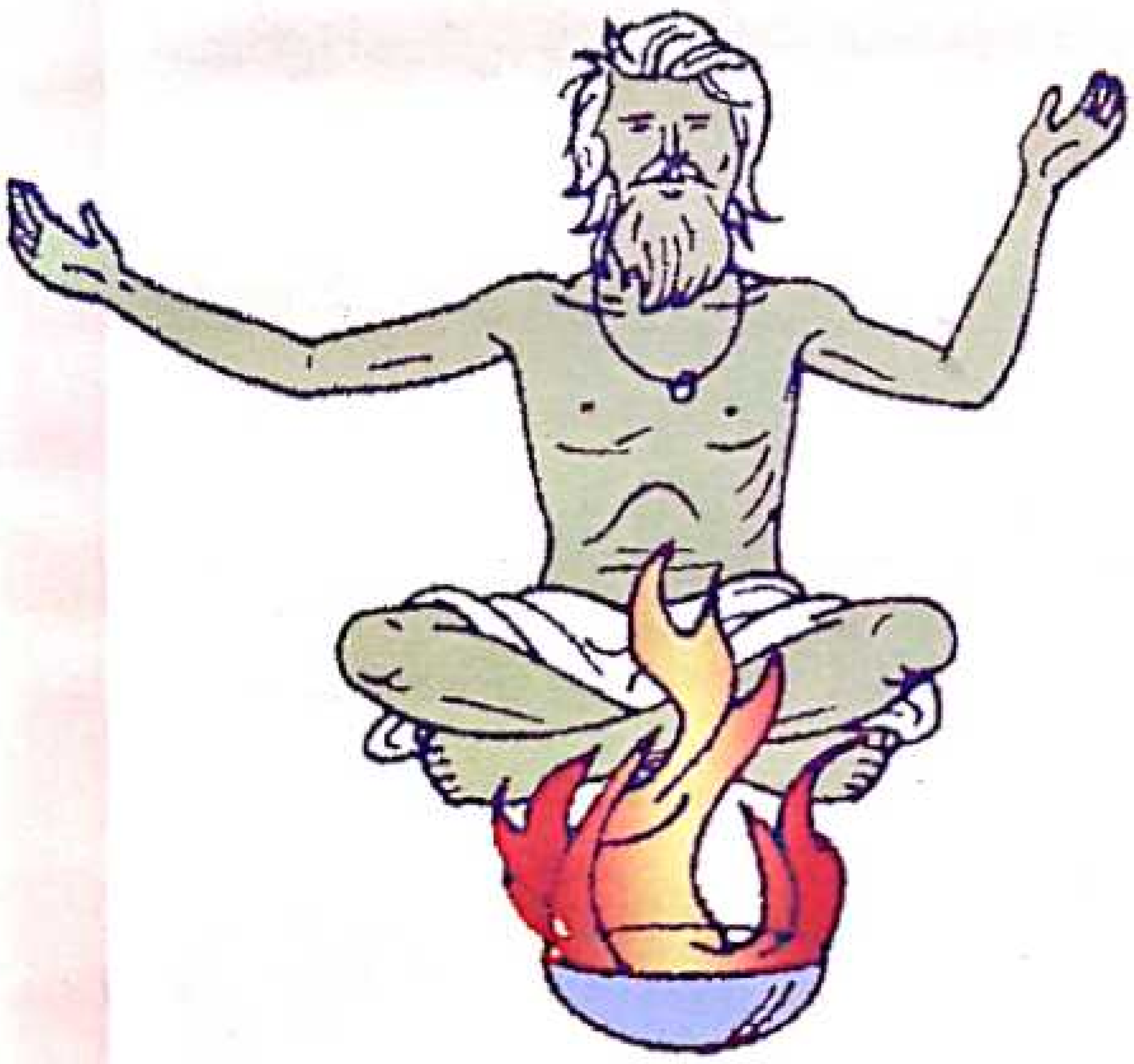

برہمن پوجا کرتے ہوئے

کشتری

کشتری کے معنی ہیں ''حکومت کرنا'' اس ذات کے ذمہ جنگ کرنا تھا۔
اب لوہے کے ہتھیار بننے لگے تھے جن میں تیر، کمان، خنجر، تلوار اور کلہاڑی قابل ذکر ہیں۔ چونکہ یہ ہتھیار مہنگے تھے اس لئے صرف امراء ہی ان کو خرید سکتے تھے۔
یہ جنگی سورما جنگوں میں رتھ بھی استعمال کرتے تھے۔ اپنی جنگی طاقت اور ساز و سامان کی وجہ سے ان کی ذات اعلیٰ سمجھی جاتی تھی۔

ویش

تیسرا طبقہ ویشوں کا تھا (وش کے معنی عام لوگ ہیں)
یہ کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے۔

شودر

چوتھی ذات شودروں کی تھی۔ یہ سب سے نچلی ذات تھی، شاید یہ آریاؤں اور مقامی باشندوں کی اولاد ہوں۔ اپنے کم درجہ کی وجہ سے یہ قربانی کی جگہ نہیں جاسکتے تھے۔ اونچی ذات والوں کے لئے اس سے بات چیت کرنا، یا اس کے ساتھ کھانا پینا ممنوع تھا۔ اسے لکھنے پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ نہ ہی یہ اونچی ذات کے مندروں میں جاسکتا تھا۔ لیکن آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ شودر طبقہ کسان بن جاتا ہے اور کھیتی باڑی میں مصروف نظر آتا ہے۔

لیکن ذات پات کے اس نظام سے باہر ایک اور ذات تھی جو اچھوت کہلاتی تھی۔ انہیں چاروں ذاتوں کے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لئے ان کی آبادیاں الگ ہوا کرتی تھیں۔ ان کے لئے لازم تھا کہ جب یہ اونچی ذات والوں کی آبادی میں آئیں تو اپنے ساتھ ایک جھاڑو لے کر آئیں جس سے یہ اپنے قدموں کے نشانات صاف کرتے رہیں کیونکہ ان سے زمین یا دھرتی گندی ہو جاتی ہے۔ ان کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ ان کی گردن میں ایک برتن لٹکا رہے اور یہ اس میں تھوکیں، کیونکہ ان کے تھوک سے زمین آلودہ ہو جاتی تھی۔

اچھوت لوگوں کی ضرورت اس لئے تھی کہ سارے گندے کام انہیں کرنے پڑتے تھے۔ لوگوں کے گھروں کی صفائی اور مردہ جانوروں کو اٹھانا، ان کے ذمہ تھا۔ ان کی اس حالت کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ چونکہ انہوں نے پچھلے جنم میں گناہ کئے تھے اس لئے یہ اس کی سزا ہے۔ اب اگر یہ اپنی ذات کے وفادار رہیں گے تو ان کی نجات اگلے جنم میں ممکن ہے۔

گاندھی جی نے ان لوگوں کو "ہریجن"، یعنی خدا کے بچے کہا۔ مگر اچھوت لوگ اب خود کو دلت کہتے ہیں، یعنی کچلے ہوئے لوگ اور موجودہ زمانے میں اپنے حقوق کی جدوجہد کر رہے ہیں۔

اچھوت عورت جھاڑو دیتے ہوئے

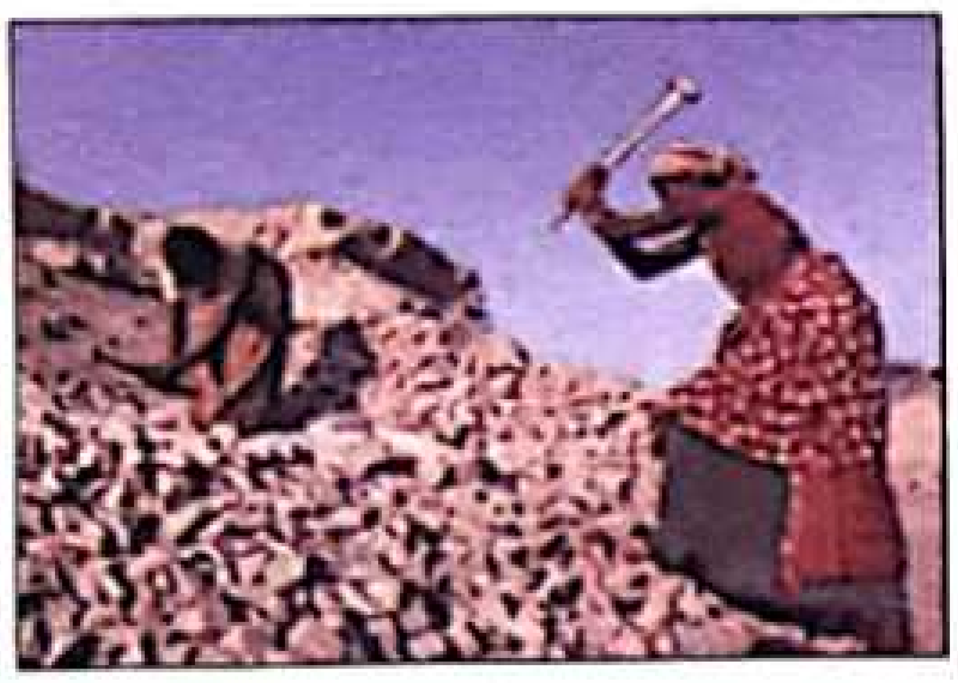

اچھوت عورت پتھر توڑتے ہوئے

اچھوتوں کی ایک بستی

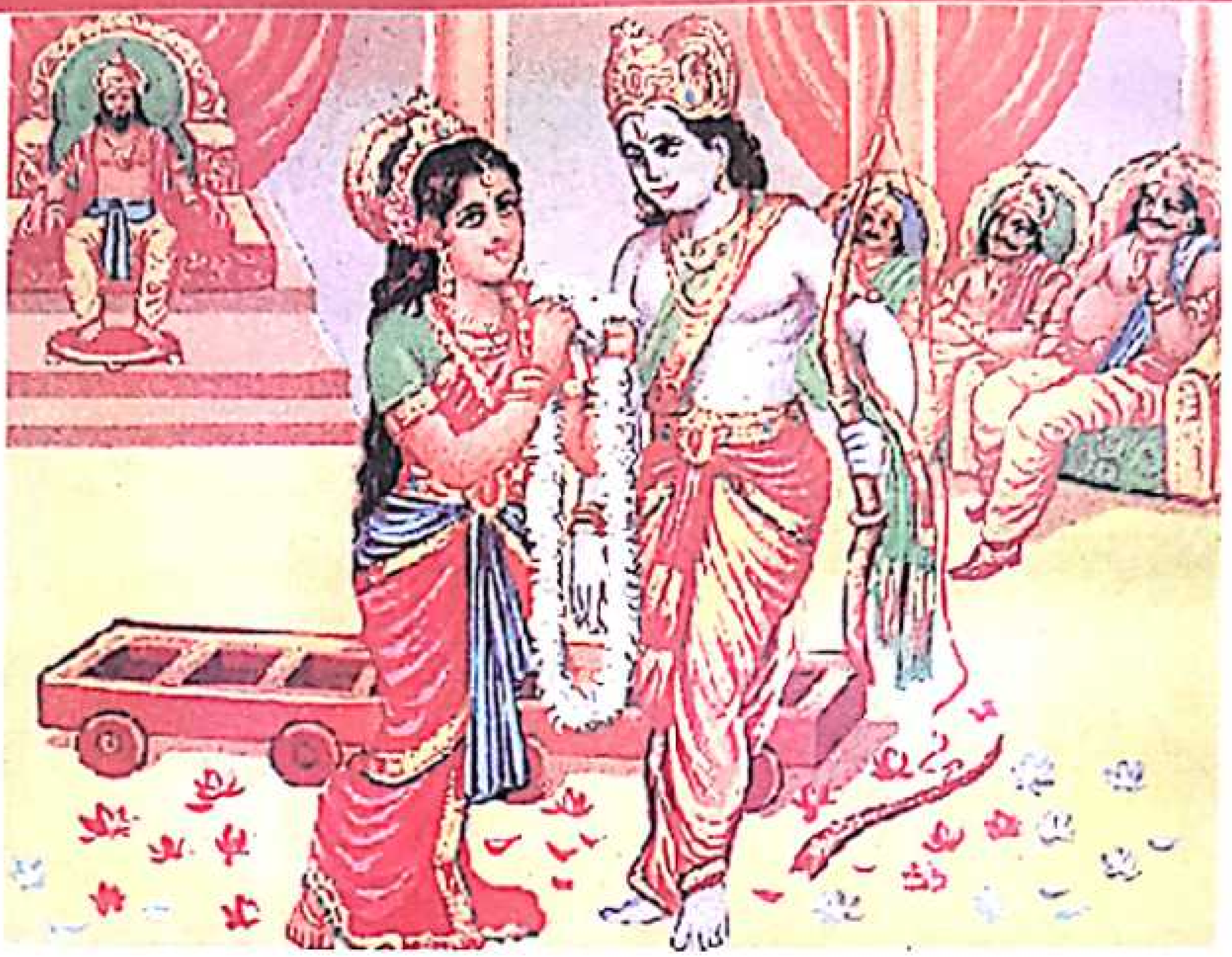

رام اور سیتا

ویدوں کے ابتدائی زمانے میں آریا سماج میں عورت کو ایک حد تک آزادی تھی۔ وہ تعلیم حاصل کرسکتی تھی، ویدوں کا علم رکھتی تھی، شاعری، فلسفہ اور مذہبی مسائل پر گفتگو کرسکتی تھی۔ شادی بیاہ کے سلسلہ میں بھی اسے آزادی تھی۔ سوئمبر کی رسم میں وہ اپنا شوہر چن سکتی تھی۔ اب تک ستی کا کوئی رواج نہیں تھا، نہ ہی بیوہ کی شادی پر پابندی تھی۔

لیکن آہستہ آہستہ آریا سماج میں عورت کے سلسلہ میں تبدیلی آئی۔ اور بعد کے ویدک دور میں اس کا سماجی مرتبہ گھٹ کر شودروں اور جانوروں کے برابر رہ گیا۔ وہ گناہ گار اور ناپاک بنادی گئی۔ اب اس کے لئے تعلیم حاصل کرنا بھی منع ہوگیا۔ اب عورت کے لئے شادی کرنا اور بچے پیدا کرنا لازمی ہوگیا۔ اگر وہ بچے پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتی تو سماج میں اس کی کوئی بھی حیثیت نہیں رہتی تھی۔ بطور بیوی وہ شوہر کی وفادار رہتی تھی۔ اب سیتا مثالی عورت کی علامت بن گئی تھی۔

ابتداء میں ستی کا رواج نہیں تھا۔ یہ رسم تھی کہ وہ شوہر کی لاش سے لپٹ جاتی تھی، اس کے بعد اسے واپس بلا کر خوش حالی کی دعا کی جاتی تھی۔ ستی کی پہلی مثال 316 ق۔م میں ملتی ہے۔ مگر اس وقت تک اس کا رواج نہیں تھا۔ آگے چل کر جنگجو قبیلوں میں یہ رسم چل نکلی۔ یہ رسم اس قدر پختہ ہوگئی تھی کہ عورت خود بھی جلنے کے لئے تیار رہتی تھی۔ اس رسم کا خاتمہ انگریزی دور میں ہوا۔ مگر اب بھی ہندوستان میں عورت کی ستی کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔

سیاسی نظام

جیسا کہ ہم نے بتایا ہے، ابتداء میں آریا سماج قبیلوں پر مشتمل تھا۔ ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا جو 'راجن' کہلاتا تھا۔ بعد میں اس کے اختیارات بڑھ گئے اور جب اس کے پاس دولت اور اقتدار آیا تو وہ محلات میں رہنے لگا، سونے کے زیورات پہننے لگا، اور برہمنوں یا پجاریوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے انہیں مویشی، گھوڑے اور سونا تحفے میں دینے لگا۔ ہمارے پاس اس عہد کی کوئی ایسی معلومات نہیں کہ پتہ چل سکے کہ بادشاہ کو کس طرح سے منتخب کیا جاتا تھا۔ لیکن یہ ضرور معلوم ہے کہ اسے مشورہ دینے کے لئے ''سبھا'' تھی جو اس کے اختیارات پر نظر رکھتی تھی اور اسے مختلف موقعوں پر مشورے دیا کرتی تھی۔

آگے چل کر بادشاہ کے اختیارات بڑھ گئے۔ برہمنوں نے اسے دیوتاؤں کی برکت سے نوازنا شروع کر دیا۔ تخت نشینی کے وقت برہمن مذہبی رسومات ادا کر کے اسے دیوتاؤں کے قریب لے آتے تھے۔ اس طرح برہمنوں نے مذہب اور سیاست کو آپس میں ملا دیا۔

600 سے 321 ق۔م میں ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی سلطنتیں اور جمہوریتیں قائم ہونا شروع ہوئیں۔ حکمرانوں کی راجدھانی قلعہ نما ہوتی تھی۔ یہ اپنی حفاظت کے لئے فوج بھی رکھتے تھے۔ طاقت کے زور سے یہ کسانوں سے فصل کا چھٹا حصہ بطور ٹیکس لیتے تھے۔ کاریگر اور تاجر کو بھی ٹیکس دینا پڑتا تھا۔ یہ ٹیکس اناج، مویشی، کاریگروں کے بنائے سامان اور نقدی کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔

راجا دربار میں

یگیہ

حکمراں دیوتاؤں کوخوش کرنے کے لئے یگیہ کی رسم ادا کرتے تھے۔اس موقع پر جانوروں کی قربانی کی جاتی تھی، آگ کا الاؤ جلایا جاتا تھا، اور سوم رس پیا جاتا تھا۔اس رسم کے موقع پر پجاریوں کا کام تھا کہ وہ مذہبی رسومات ادا کریں۔ یگیہ کی رسم کے موقع پر راجہ، پروہت، فوجی، اور سرکاری عہدے دار سب شریک ہوتے تھے۔عام رعایا یا ویش کے لئے ضروری تھا کہ وہ راجہ کے لئے تحفے تحائف لے کر آئیں۔ یگیہ میں ہر شخص کی جگہ اس کے رتبہ اور منصب کے لحاظ سے جدا ہوا کرتی تھی۔ پجاریوں کو رسومات کی ادائیگی پر تحفے دیئے جاتے تھے جو''دکشنا'' کہلاتے تھے۔

اس رسم کا مقصد یہ تھا کہ لوگ راجہ کے اختیارات اور اس کی طاقت کو تسلیم کرلیں اور یہ دیکھ لیں کہ پجاری اس رسم کے ذریعہ دیوتاؤں کو خوش کر کے، راجہ کی حکومت کو جائز تسلیم کراتے تھے۔اس تقریب میں راجہ، اور برہمن دونوں کے اپنے علیحدہ علیحدہ فرائض بھی سامنے آجاتے تھے۔اس کے ذریعہ یہ پیغام بھی دیا جاتا تھا کہ راجہ کی اطاعت کرنی لازمی ہے، کیونکہ دیوتا اس کے ساتھ ہیں۔

اشومیدھ

یہ رسم بھی ایک بڑا یگیہ ہوا کرتا تھا۔جب کوئی راجہ تخت نشین ہوتا تھا تو وہ خود کو تسلیم کرانے اور اپنے ملک کی سرحدوں کا تعین کرنے کے لئے ایک گھوڑا کھلا چھوڑ دیتا تھا۔ یہ گھوڑا میدانوں، جنگلوں اور پہاڑوں میں دوڑتا تھا اگر کوئی اسے روکتا تھا تو اسے راجہ سے جنگ کرنی ہوتی تھی کہ جس کا یہ گھوڑا تھا۔اگر وہ گھوڑا زندہ سلامت واپس آجاتا تھا تو یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ اس کے ہمسایہ راجاؤں اور سرداروں نے اسے راجہ تسلیم کرلیا ہے۔ یہ راجہ ''سوامی'' کہلاتا تھا۔

آخر میں گھوڑے کو قربان کردیا جاتا تھا۔قربانی کی یہ رسم برہمن ادا کرتے تھے۔اس کے بعد یگیہ کی رسم ہوتی تھی۔ایک بڑی دعوت جس میں لوگوں کو شریک کیا جاتا تھا۔راجہ برہمنوں کو تحفے دیتا تھا جب کہ لوگ راجہ کو نذرانے دیتے تھے۔

جین مت

ویدک دور کے آخر تک آتے آتے برہمن طبقہ کافی بااثر اور مضبوط ہو چکا تھا۔ علم پر اس کا قبضہ تھا، مذہبی رسومات وہ ادا کرتا تھا، لوگوں اور دیوتاؤں کے درمیان وہ واسطہ تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے پیدائش، شادی اور موت تک کی رسومات کو اس قدر پیچیدہ اور مہنگا کر دیا تھا کہ عام لوگوں کے لئے ان اخراجات کا پورا کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ لہٰذا اس صورت حال کے خلاف دو مذہب ابھرے جنہوں نے برہمنوں کی اجارہ داری اور غلبہ سے انکار کیا، مذہبی رسومات کے خلاف آواز اٹھائی، برہمنوں کی اس تعلیم سے انکار کیا کہ جو وہ روح کی نجات کے لئے دیتے تھے، بلکہ یہ زور دیا کہ ایک فرد عبادت و ریاضت سے نجات حاصل کر سکتا ہے، اس میں اسے برہمنوں کی مدد کی ضرورت نہیں۔

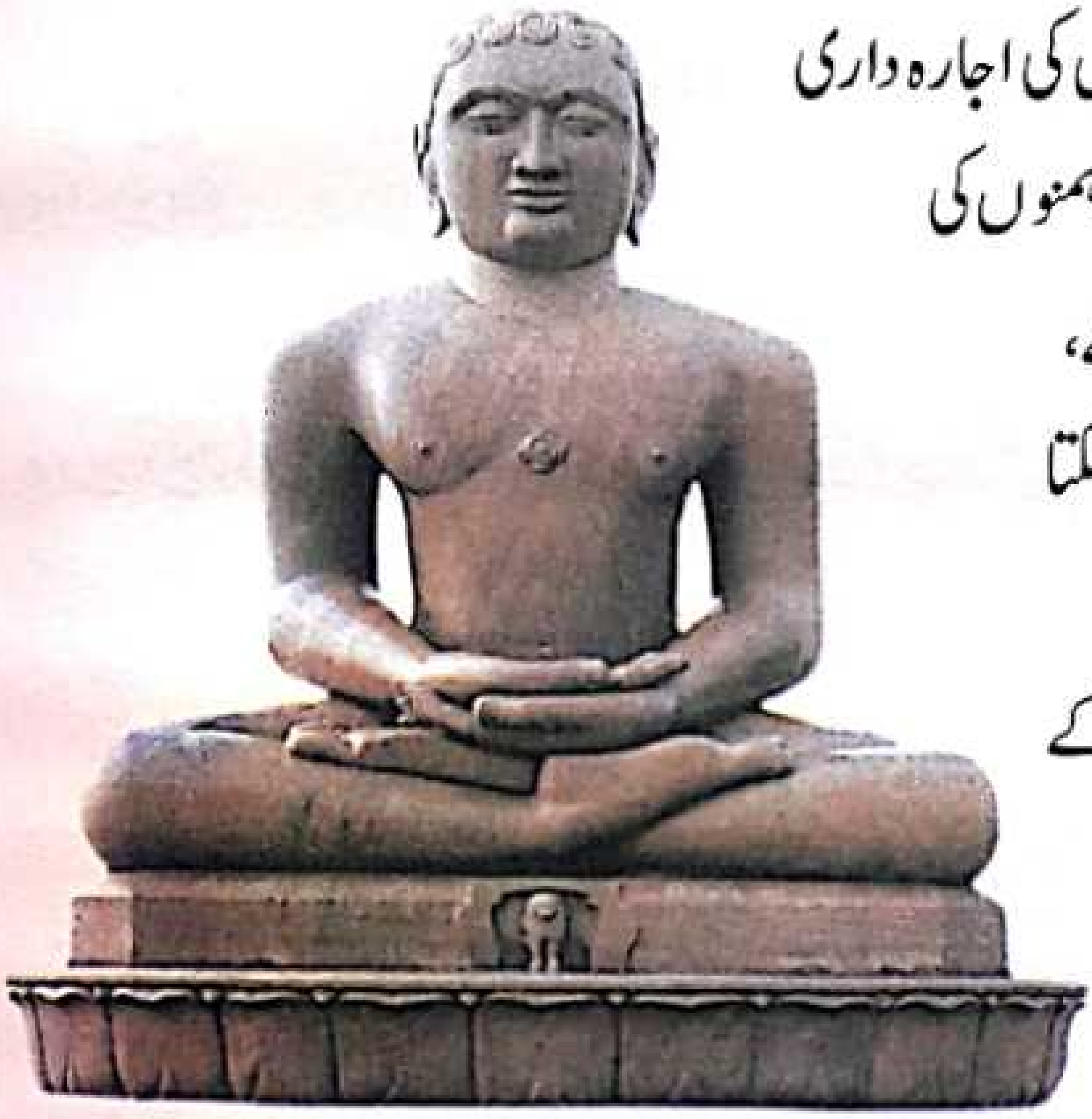
مہاویر جین مت کے بانی

پہلا شخص جس نے یہ آواز بلند کی وہ وردھن تھے جو مہاویر کے نام سے مشہور ہیں، اس کے معنی ہیں ''عظیم ہیرو'' ان کا تعلق کشتری خاندان سے تھا۔ مگر یہ سچ کی خاطر گھر چھوڑ کر نکل گئے۔ انہوں نے جس مذہب کی تعلیم دی وہ ''جین''، یعنی فتح پانے والا ہے۔ ان کا زمانہ تقریباً 6 صدی ق۔م ہے۔ ان کی تعلیمات کے مطابق دنیاوی معاملات میں کسی دیوی یا دیوتا کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان اپنے معاملات میں خود آزاد ہے۔ روح کی نجات کے لئے اسے اخلاق اور اصول وضوابط کی پابندی کرنی ہوگی۔ ان اصولوں میں سب سے اہم اُصول ''اہنسا'' ہے یعنی تشدد سے پرہیز۔ جو فرد تشدد میں مبتلا ہوگا تو اس کے اس عمل سے اس کی روح پر بوجھ بڑھتا جائے گا۔ چونکہ ہر شے میں روح ہوتی ہے اس لئے اس کا احترام کرنا چاہئے۔ وہ ایسی تمام رسومات کے خلاف تھے کہ جن میں جانوروں کی قربانی کی جاتی تھی۔ ان کے ماننے والے خاص سبزیاں کھاتے ہیں۔ پودوں، درختوں، اور جانوروں کو نقصان نہیں پہنچاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے منہ اور ناک کو ڈھانپ کر رکھتے ہیں تاکہ کوئی کیڑا ان کے منہ یا ناک میں جا کر نہ مر جائے۔ چونکہ جین مت کے اصول بہت سخت ہیں، اس لئے اس کے ماننے والے بھی کم ہیں۔ مثلاً کسان کے لئے یہ مذہب انتہائی مشکل ہے کیونکہ اسے اپنی فصل بچانے کے لئے کیڑوں اور پرندوں کو مارنا پڑتا ہے۔ اس لئے جین لوگ زیادہ تر تاجر ہیں۔ یہ شمالی ہندوستان کے کچھ حصوں میں رہتے ہیں۔

گوتم بدھ بھی مہاویر کے زمانہ کے تھے۔ ان کا اصل نام سدھارتھ تھا۔ ان کا تعلق بھی کشتری خاندان سے تھا۔ 30 سال کی عمر میں یہ سچائی کی تلاش میں گھر بار، بیوی کو چھوڑ کر جنگلوں اور ویرانوں میں چلے گئے۔ 35 سال کی عمر میں برگد کے ایک درخت کے نیچے انہیں گیان ہوا۔ اس کے بعد یہ بنارس کے قریب سارناتھ آ گئے اور یہاں اپنا پہلا وعظ دیا۔ باقی زندگی انہوں نے گھومنے پھرنے اور لوگوں کو تعلیم دینے میں گزاری۔ کشی نگر میں ان کی وفات ہوئی۔

گوتم بدھ (بدھ کے معنی ہیں عارف، یا علم کی روشنی رکھنے والا) کی تعلیمات کے تحت گیان انہیں مل سکتا ہے جو گھر بار چھوڑ دیں اور لوگوں کے ساتھ رہیں۔ وہ اس زندگی کو دکھوں، مصیبتوں اور تکلیفوں کا نام دیتے ہیں اور ان کی وجہ انسان کی خواہشات ہیں۔ اگر انسان خواہشات پر قابو پالے صبر اور ضبط سے کام لے تو وہ ان دکھوں پر قابو پا سکتا ہے۔ لہٰذا ان کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ:

(1) یہ دنیا رنج و آلام کی جگہ ہے۔ (2) انسان بار بار جنم لے کر اس بے روح دنیا میں اور زیادہ دکھی ہو جاتا ہے۔ (3) اپنی ناواقفیت کی وجہ سے انسان دنیا کے جھمیلوں میں پھنس جاتا ہے۔ (4) روح کی نجات کے لئے ضروری ہے کہ دنیا سے بالکل علیحدگی ہو، کھانے کے لئے بھیک مانگنا چاہیئے، جو ملے اسے کھالینا چاہیئے، سر کو مونڈ الینا چاہیئے، زعفرانی لباس پہننا چاہیئے۔

اس کے بعد بدھ کی تعلیمات کے 8 اصول ہیں: صحیح خیالات، نیک ارادے، سچ بولنا، نیک عمل، پاک آمدنی، اچھی کوشش، جذبات پر قابو اور یوگا۔

گوتم بدھ

گوتم بدھ کے ماننے والوں نے کہ جنہوں نے گھر بار چھوڑ دیا تھا وہ مل کر ایک جگہ رہا کرتے تھے یہ ''سنگھ'' یا جماعت کہلاتا تھا، جہاں یہ لوگ مستقل طور پر رہتے تھے وہ جگہ ''وہار'' کہلاتی تھی۔ ابتداء میں یہ لکڑی کے بنائے جاتے تھے بعد میں انہیں پکا تعمیر کیا جانے لگا۔ کچھ وہار پہاڑوں کو کھود کر بھی بنائے گئے ہیں، ان میں بدھ کے ماننے والے مرد اور عورتیں علیحدہ علیحدہ رہا کرتی تھیں۔ سنگھ میں آنے کے لئے لڑکے کو باپ سے اجازت لینی پڑتی تھی، اور غلام کو آقا سے۔

سنگھ یا جماعت کی شکل میں ''وہار'' یا ہاسٹل میں رہتے تھے۔ ان کی زندگی انتہائی سادہ ہوا کرتی تھی کھانا یہ بھیک مانگ کر لایا کرتے تھے اس لئے مردوں کو بھکشو اور عورتوں کو بھکشن کہا جاتا ہے۔ وہار میں رہنے والے ہر ذات کے لوگ ہوتے تھے جن میں برہمن، کشتری، تاجر، مزدور اور ملازم شامل ہوتے تھے۔ یہ لوگ عبادت و ریاضت میں اپنا وقت صرف کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے ہی بدھ کے اقوال اور نصیحتوں کو لکھا ہے۔

بدھ بھکشوؤں اور بھکشنوں نے جو کہانیاں سنائی اور لکھی ہیں۔ وہ ''جاتک''
کہلاتی ہیں۔ ان کہانیوں میں رحمدلی، نیکی اور انسان دوستی کا سبق ہے۔

ایک بدھ بھکشو

مٹھ اور اسٹوپ

جین اور بدھ مذہب کے ماننے والے اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے تھے۔ جب موسم خراب ہوتا یا برسات ہوتی تو یہ ایک جگہ ٹھہر جاتے تھے۔ ان لوگوں کے رہنے اور کھانے پینے کے لئے امیر لوگوں نے جو ان مذہبوں کو ماننے والے تھے، ان کے لئے جو رہائش بنوائی وہ مٹھ کہلاتی تھی۔

بدھ کی وفات کے بعد ان کے پیروکاروں نے ان کی ہڈیاں، دانت اور بال مختلف جگہوں پر دفن کر کے اس پر مینار نما عمارت بنا دی جو اسٹوپ کہلاتی ہے۔ اس کے معنی ہیں "ٹیلہ" چونکہ یہ بدھ کی یادگار ہیں اس لئے لوگ یہاں آ کر پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ ایسے اسٹوپ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خصوصیت سے اشوک نے انہیں پکا اور شاندار تعمیر کرایا۔

تخت بائی (صوبہء سرحد) میں بدھ مت کے آثار

ویدک دور پر ایک نظر

ویدک دور میں مذہبی اور فلسفیانہ خیالات وافکار پیدا ہوئے۔ اس پر بحث ومباحثے رہے کہ یہ زندگی کیا ہے؟ روح کیا ہے؟ نجات کے راستے کیا ہیں؟ انسان کو فطرت کے مظاہر کو سمجھنا چاہئے۔ غور وفکر، یوگا اور مراقبہ کرنا چاہئے۔ جنگلوں کی خاموشی اور پہاڑوں کی بلندی واونچائی میں رہ کر سکون تلاش کرنا چاہئے۔ مگر اس عہد میں کوئی بڑی سلطنت قائم نہیں ہوئی کہ جو تمام ملک کو متحد کرتی، تجارت وفوجی مہمات کی خاطر سڑکیں اور راستے بناتی، حکمراں اپنی شان وشوکت کے لئے محلات بناتے اور اپنے مذہبی جذبات کے اظہار کے لئے بڑے بڑے مندر بناتے۔ اس طرح اس عہد میں کوئی بڑا شہر آباد نہیں ہوا۔ ایسا شہر کہ جو سیاست، تجارت، علم وادب کا مرکز ہوتا۔ اس عہد میں مفکروں، فلسفیوں، اور مذہبی لوگوں کی توجہ انسان کے دکھوں اور نجات پر رہی۔ دنیاوی معاملات انہوں نے مستقبل میں آنے والوں پر چھوڑ دیئے۔

تیسرا باب

چینی تہذیب

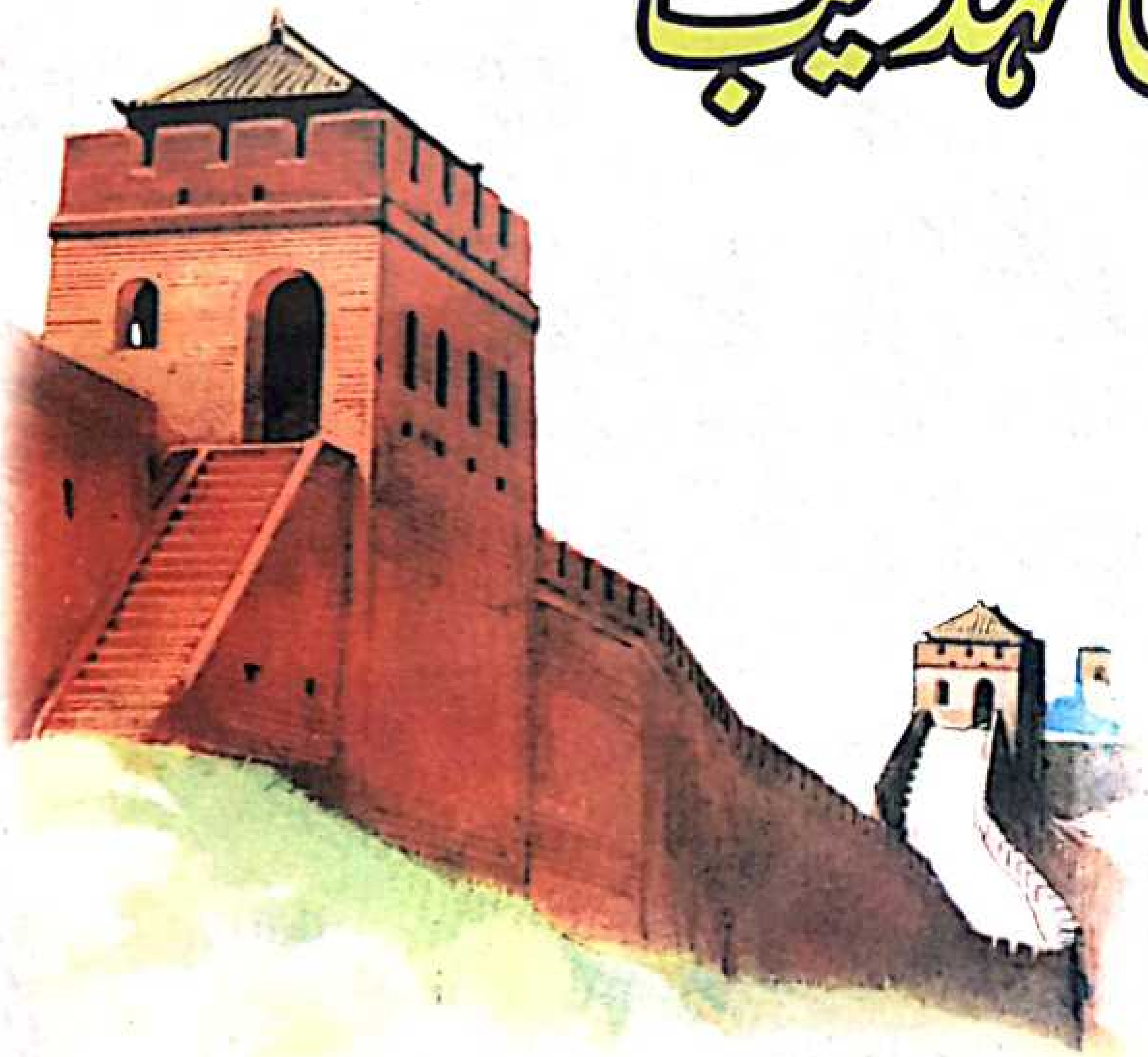

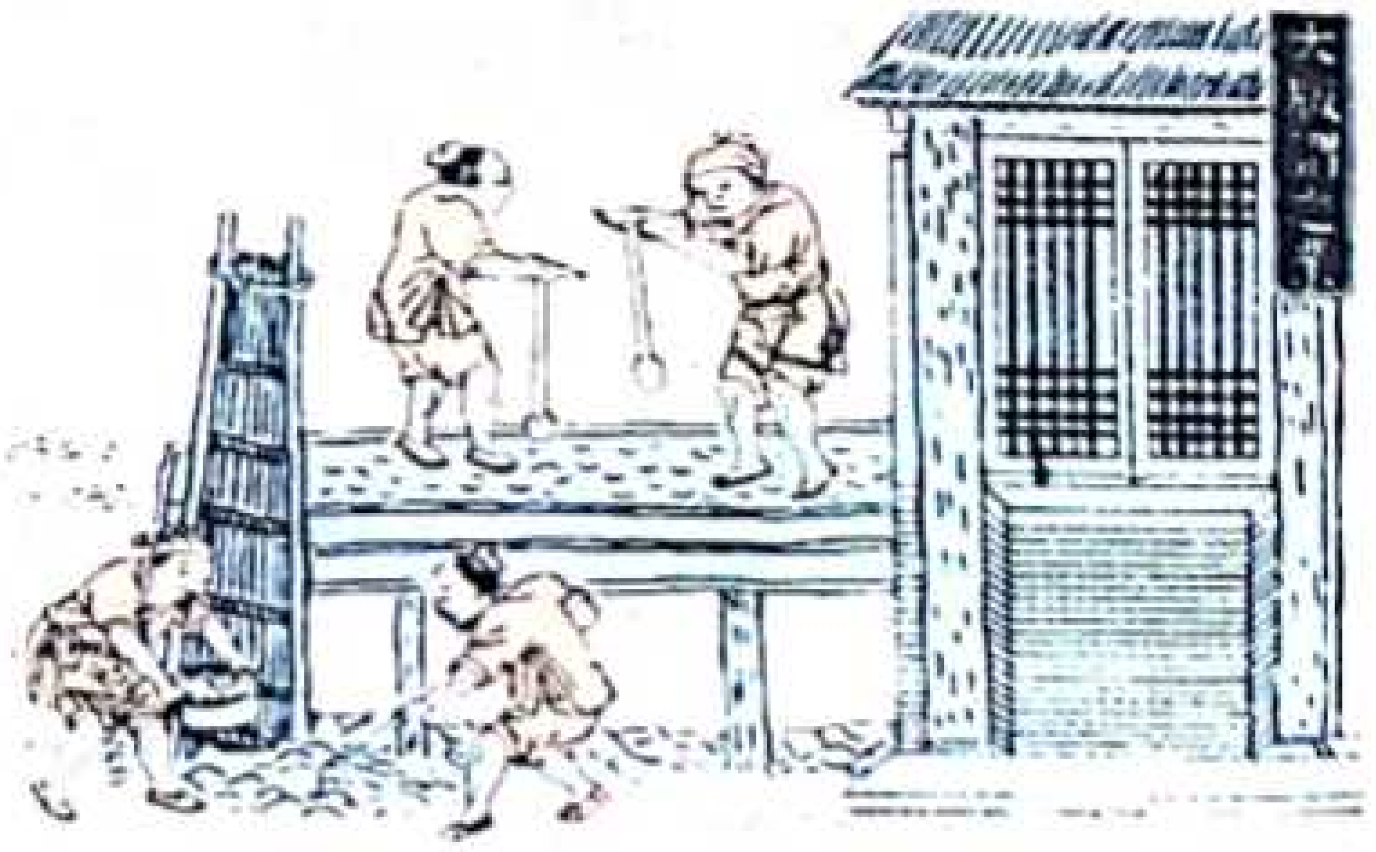

چینی سلطنتیں

لوہے کے زمانے میں چین میں کئی بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ ان میں کانسی کے دور کے شانگ خاندان (1650-1027 ق۔م) کا تختہ اُلٹ کر چاؤ خاندان اقتدار میں آیا۔ اس کا دورِ حکومت 1027 سے 256 ق۔م تک رہا۔ اس نے شانگ دور کی کئی رسومات کو جن میں اجداد کی روحوں کی پوجا شامل تھی اسے جاری رکھا۔ اس کے حکمرانوں نے دوسری ریاستوں کو شکست دے کر انہیں اپنا تابع بنالیا۔ جب اس خاندان کا زوال ہوا تو چین میں خانہ جنگی کا زمانہ شروع ہوا جو 481 سے 221 ق۔م تک جاری رہا۔ اس دوران جنگوں میں ہزار ہا لوگ مارے گئے۔

اس سیاسی انتشار کو ختم کر کے چن خاندان نے حکومت قائم کی جو 221 سے 207 ق۔م تک رہی۔ اس خاندان نے پہلی مرتبہ چین کو سیاسی طور پر متحد کیا۔ شمالی حملہ آوروں سے محفوظ رہنے کے لئے دیوارِ چین بنائی۔ اس خاندان کے حکمرانوں نے سب سے پہلے شہنشاہ کا خطاب اختیار کیا۔ اس دور میں جو اصلاحات ہوئیں ان میں چینی زبان کا معیاری رسم الخط، سکّے کی ایجاد، وزن اور پیمائش کے اصول قابلِ ذکر ہیں۔ اس خاندان کے ان کارناموں کی وجہ سے ملک کا نام ''چین'' پڑ گیا۔ اس کے بعد آنے والا حکمراں خاندان ہان تھا۔ اس نے 220 سے 207 ق۔م تک حکومت کی۔ اس عہد میں چین میں نوکرشاہی کی بنیاد پڑی، جو 2000 سال تک جاری رہی۔

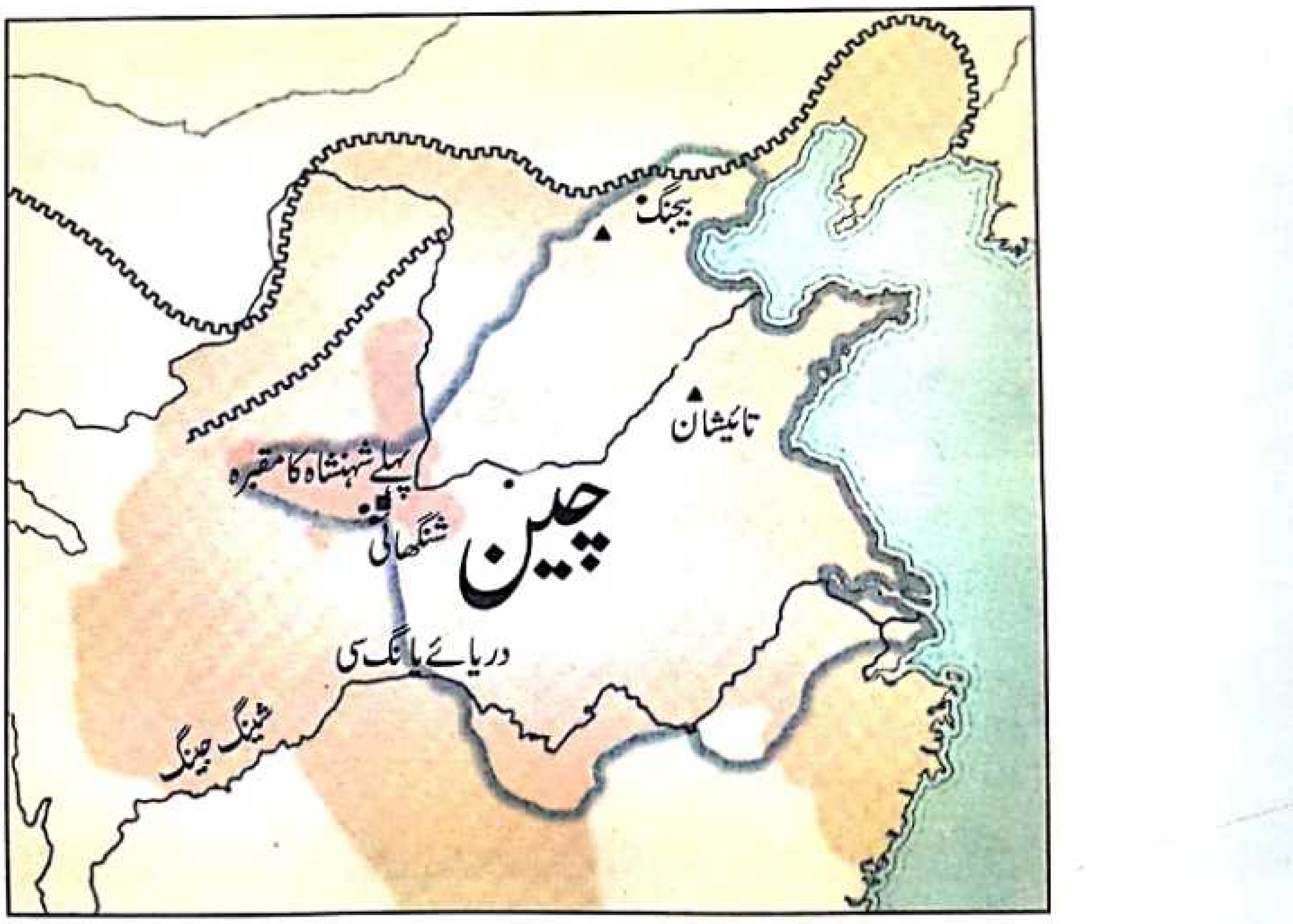

چین کا نقشہ

چینی تہذیب

چونکہ چین دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں سے علیحدہ رہا اس لئے اس کی تاریخ اور تہذیب کے بارے میں بہت کم معلومات تھیں۔ چین کی پرانی کتابوں میں جب اس کے ماضی کے بارے میں پڑھا جاتا تھا تو لوگ اس پر یقین کرنے پر تیار نہیں تھے کہ وہ اس قدر ترقی یافتہ معاشرہ تھا۔ مگر جب 1900ء میں شمالی چین میں قدیم آثار دریافت ہوئے اور وہاں سے جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی تحریریں ملیں، تو ان تحریروں سے چین کی پرانی تہذیب کے بارے میں حیران کن باتیں دریافت ہوئیں۔ آگے چل کر جب آثارِ قدیمہ کے ماہروں نے دفن شدہ محلات، مقبرے، کارخانے، مٹی کے بنے مجسمے اور کانسی کے اوزار و ہتھیار دریافت کئے تو اس نے ثابت کر دیا کہ چین نے دنیا کی قدیم ترقی یافتہ تہذیب پیدا کی تھی۔

چینی لوگ اپنی تہذیب پر فخر کرتے تھے۔ یہ دوسروں کو اپنے مقابلہ میں غیر مہذب اور غیر متمدن کہتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کا ملک دنیا کے مرکز میں واقع ہے۔

چین کے ایک قدیم آثار کی دریافت

چینی سماج

لوہے کے عہد میں تہذیبوں میں طبقاتی تقسیم ہوگئی تھی۔ جن طبقوں کے پاس طاقت، اقتدار اور دولت تھی وہ مراعات یافتہ ہو گئے تھے۔ بقایا لوگ رعایا کہلاتے تھے۔ چونکہ ان کے پاس کوئی طاقت نہیں تھی نہ ہی دولت تھی اس لئے ان کا کام حکمراں طبقوں کی اطاعت کرنا تھا۔

چینی معاشرہ بھی مختلف طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں سب سے اونچی ذات بادشاہ کی تھی اس کے بعد پانچ طبقے تھے جن میں دانشور، تاجر، کاریگر، کسان، اور غلام تھے۔ ان پانچوں میں پڑھے لکھے طبقے کی زیادہ اہمیت تھی۔ لیکن یہ طبقہ امراء کے لئے مخصوص تھا کیونکہ تعلیم مہنگی تھی جس کا حاصل کرنا غریبوں کے لئے مشکل تھا۔ فوجیوں کی زیادہ عزت نہیں تھی کیونکہ ان میں قبائلی لوگ، غلام، اور جنگی قیدی ہوتے تھے۔

اقتدار اور دولت بادشاہ اور امراء کے پاس تھا۔ امراء ہی فوج کے اعلیٰ عہدے دار، نوکر شاہی میں اونچے مرتبہ پر، اور زمیندار ہوا کرتے تھے۔

عام لوگوں کی زندگی غربت اور مفلسی میں گذرتی تھی۔

چینی سماج کی ایک جھلک

آسمان کا بادشاہ

چاؤ خاندان کے حکمراں نے سب سے پہلے اپنے لئے" آسمان کا بادشاہ" کا خطاب اختیار کیا۔اس کا مطلب تھا کہ آسمانی دیوتاؤں نے اسے حکومت کرنے کا حق دیدیا ہے۔لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ لوگوں پر عدل اور انصاف سے حکومت کرے۔ایک مرتبہ جب چین کے بادشاہوں کو آسمانی دیوتاؤں کی جانب سے حکومت مل گئی تو انہوں نے شان وشوکت کو اختیار کرتے ہوئے اپنے دربار کو رسم و رواج اور ادب آداب سے آراستہ کیا۔

چینی بادشاہ

شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے اب اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ ملک میں امن وامان برقرار رکھے،سلطنت کی حفاظت کرے، مذہبی رسومات ادا کرے،اور رعایا کو اپنا تابعدار رکھے۔

اپنی زندگی میں یہ شہنشاہ عالی شان محلات میں رہتے تھے۔حرم رکھتے تھے، ہزار ہا ملازمین ان کی خدمت کے لئے تیار رہتے تھے۔مرنے کے بعد بھی انہیں زیرزمین مقبروں میں معہ سامان آسائش کے دفن کردیا جاتا تھا۔ان کے مردہ جسموں کی حفاظت اور خدمت کے لئے مٹی کے بنے فوجیوں کے مجسمے ہوتے تھے جو قطار در قطار کھڑے ان کے احکامات کا انتظار کرتے تھے۔

ماہر آثارِ قدیمہ نے ایسے مقبروں کی کھدائی کرکے قدیم چین کی اشیاء اور مٹی کے فوجی مجسموں کو دریافت کیا ہے۔

نوکر شاہی

چین کے حکمرانوں نے اس بات کو پوری طرح سے سمجھ لیا تھا کہ حکومت کے انتظام کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے کہ جو ذہین، تیز طرار، اور باصلاحیت ہوں۔ اس لئے انہوں نے امراء اور اعلیٰ خاندان کے لڑکوں کو محض اس لئے اعلیٰ عہدے نہیں دیئے کہ ان کا تعلق اونچے گھرانے سے ہے، بلکہ اس کا معیار ذہانت اور لیاقت پر رکھا۔ اس کے لئے پورے ملک سے نوجوانوں کا انتخاب کیا جاتا تھا۔

نوکر شاہی کے ادارے کی بنیاد ہان خاندان کے حکمراں چاؤسو (206-195 ق۔م) نے ڈالی۔ اگرچہ وہ خود پڑھا لکھا نہیں تھا مگر اس نے محسوس کیا کہ حکومت چلانے کے لئے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ عہدے دار ضروری ہیں اس نے نوکر شاہی کے جس ادارے کی بنیاد ڈالی وہ دو ہزار سال تک اپنا کام کرتا رہا۔

عہدے داروں کے انتخاب کے لئے امتحانات ہوا کرتے تھے۔ امیدواروں کے لئے ضروری تھا کہ وہ قدیم ادب، تاریخ، اخلاقیات اور سیاسیات کا گہرا مطالعہ کریں۔ خاص طور سے کنفیوشس کی تعلیمات پر عبور حاصل کرنا ضروری تھا۔ امتحان کئی سطحوں پر ہوا کرتے تھے۔ آخری امتحان کیپٹل میں ہوتا تھا جہاں امیدواروں کی سخت نگرانی کی جاتی تھی۔ نقل کی سزا سخت تھی۔ ایک کیس میں نگراں کا سر اڑا دیا گیا کہ اس نے نقل کو نہیں دیکھا۔ عورتوں کو سرکاری عہدے نہیں دیئے جاتے تھے۔

ان عہدے داروں کی تعداد کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں۔ مگر ہان کے عہد میں یہ 35,285 تھے۔ ان کو 9 طبقوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ان کے عہدے اور مرتبہ کی پہچان کے لئے ان کے لباس کے سامنے حصہ پر بیج لگایا جاتا تھا۔ دوسرے لوگوں کو ان جیسا لباس پہننے کی اجازت نہیں تھی۔ نہ ہی یہ اجازت کہ ان جیسی گاڑیوں میں سفر کریں۔

جو امتحان میں اول آتے تھے، وہ وزیر کے عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔ ان کی شادی شاہی خاندان کی شہزادیوں سے کر دی جاتی تھی تا کہ اس طرح ان کی وفاداری مضبوط ہو جائے۔

چین کے یہ عہدے دار منڈارنز (Mandarins) کہلاتے تھے۔

نوکر شاہی کے امیدوار مقابلہ کا امتحان دیتے ہوئے

مذہب اور فلسفہ

چینی لوگ روحوں کے وجود پر یقین رکھتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ یہ روحیں پہاڑوں، دریاؤں، کھیتوں، جنگلوں، ستاروں اور بادلوں میں رہتی ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ یہ خشک سالی، سیلاب، بارش، اور فتح وشکست کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔

وہ اس پر بھی یقین رکھتے تھے کہ آباء واجداد کی روحیں، دنیا کے کاموں میں دخل دیتی رہتی ہیں۔ اس لئے پجاریوں کی مدد سے ان روحوں کو مدد کے لئے بلاتے رہنا چاہئے۔

کنفیوشس

یہ پجاری سرکاری عہدے دار ہوا کرتے تھے اور ان کا کام تھا کہ وہ دیوی و دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے قربانی کریں۔ زیارت گاہیں تعمیر کرائیں جہاں آ کر لوگ اپنی مرادیں مانگیں۔

آگے چل کر چین میں تین مذاہب ابھرے۔ ان میں ایک تاؤمت ہے، جس کا بانی لاؤشے تھا جو 604ق۔م میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے معنی ہیں "قدیم استاذ" تاؤ کے معنی ہیں راستہ کے۔ اس کی تعلیمات میں سادگی پر زور ہے اور کہا گیا ہے کہ انسان کو خودغرضی سے دور رہنا چاہئے۔ دولت، جائیداد اور طاقت کی خواہش نہیں کرنی چاہئے۔ فرد کو فطرت سے رشتہ جوڑنا چاہئے۔

دوسرا اہم فلسفی کنفیوشس (551-479ق۔م) تھا۔ اس کی تعلیمات کا چین کے معاشرے پر گہرا اثر ہوا ہے۔ وہ سماج اور خاندان کو گہرے رشتہ میں پرونا چاہتا تھا۔ اس کی تعلیمات کے تحت ہر فرد اور ہر چیز کی اپنی جگہ ہے، اسے وہیں رہنا چاہئے۔ بیٹے کو باپ کی، بیوی کو شوہر کی، چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی کی اور رعایا کو بادشاہ کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اجداد کی روحوں کی پوجا کرنی چاہئے۔ کیونکہ اس سے خاندان کی جڑیں جڑی ہوتی ہیں۔ اس عمل سے خاندان کا دائرہ بڑھ جاتا ہے اور مردے بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں اور وہ بھی جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔

کنفیوشس کی اخلاقیات میں رحمدلی، شرافت، رواداری، اور رسم ورواج کی پابندی ہے۔

تاؤمت اور کنفیوشس کے افکار دو جنگوں کے بعد پیدا ہوئے، اس لئے ان میں امن وامان کی تعلیم ہے۔

بدھ مت چین میں ہندوستان سے پہلی صدی عیسوی میں آیا۔ یہ دور چین میں سیاسی بے چینی اور ابتری کا تھا اس لئے بدھ مت کی تعلیمات نے اس کے ماننے والوں کو سکون واطمینان دیا۔ بدھ کی تعلیمات میں سب سے اہم یہ ہے کہ انسان کو خواہش ختم کر دینی چاہئے، کیونکہ یہی برائیوں کی جڑ ہے۔

چین میں تینوں مذاہب میں جو ہم آہنگی ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تین راستے ہیں جو ایک جگہ آ کر مل جاتے ہیں۔

کسان

چین میں لوگوں کی اکثریت دیہاتوں میں رہتی تھی اور کھیتی باڑی کرتی تھی۔ لوہے کے ہل اور آب پاشی کے نظام میں بہتری کے بعد پیداوار میں تو اضافہ ہوا تھا مگر اس کا فائدہ بادشاہ اور امراء کو تھا جو اس پیداوار کو ہتھیا لیتے تھے۔ دیہاتوں میں کسان برادریوں اور خاندانوں میں مل جل کر رہا کرتے تھے۔ انہیں حکومت کو ٹیکس کے علاوہ فوجی خدمات بھی ادا کرنی ہوتی تھیں۔ سرکاری عمارتوں، سڑکوں کی تعمیر اور نہروں کی کھدائی میں ان سے بیگار لی جاتی تھی۔ انہیں گرمی و سردی ہر موسم میں کام کرنا ہوتا تھا۔ چھٹی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ جب اس کا گذارہ نہیں ہوتا تھا تو یہ قرض لینے پر مجبور ہو جاتا تھا اور اس کی ادائیگی میں اپنا گھر، مویشی، یہاں تک کہ بچوں تک کو رہن رکھنا پڑتا تھا۔ کسان عورت گھریلو کاموں کے علاوہ کپڑا بنتی تھی، چاول کے تنکوں سے ٹوپیاں بناتی اور جوتے تیار کرتی تھی۔ اس کا کام یہ بھی تھا کہ یہ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتی تھی۔ سلک کے کیڑے پالتی تھی۔ بچے چھوٹی عمر سے اپنے ماں باپ کی مدد کرتے تھے۔ خاص طور سے مویشیوں کی دیکھ بھال کرنا ان کی ذمہ داری تھی۔ پورا خاندان ایک ہی جھونپڑی میں رہتا تھا۔

207ق۔م میں چن خاندان کے زمانے میں کسانوں کی ایک بڑی بغاوت ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے چینی حکمرانوں کو خیال ہوا کہ کسانوں پر زیادہ سختی نہیں کرنی چاہئے۔ 141ق۔م میں ہان کے دور میں ایک حکمراں کا کہنا تھا کہ ''زراعت سلطنت کی بنیاد ہے۔ جہاں تک جواہر، سونا، موتی اور قیمتی پتھر کا تعلق ہے یہ بھوک کے وقت کھائے نہیں جا سکتے ہیں نہ ہی سردیوں میں انہیں اوڑھا جا سکتا ہے۔''

لیکن اس محنت اور اس کی پیداوار کے باوجود وہ معاشرے کے نچلے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔

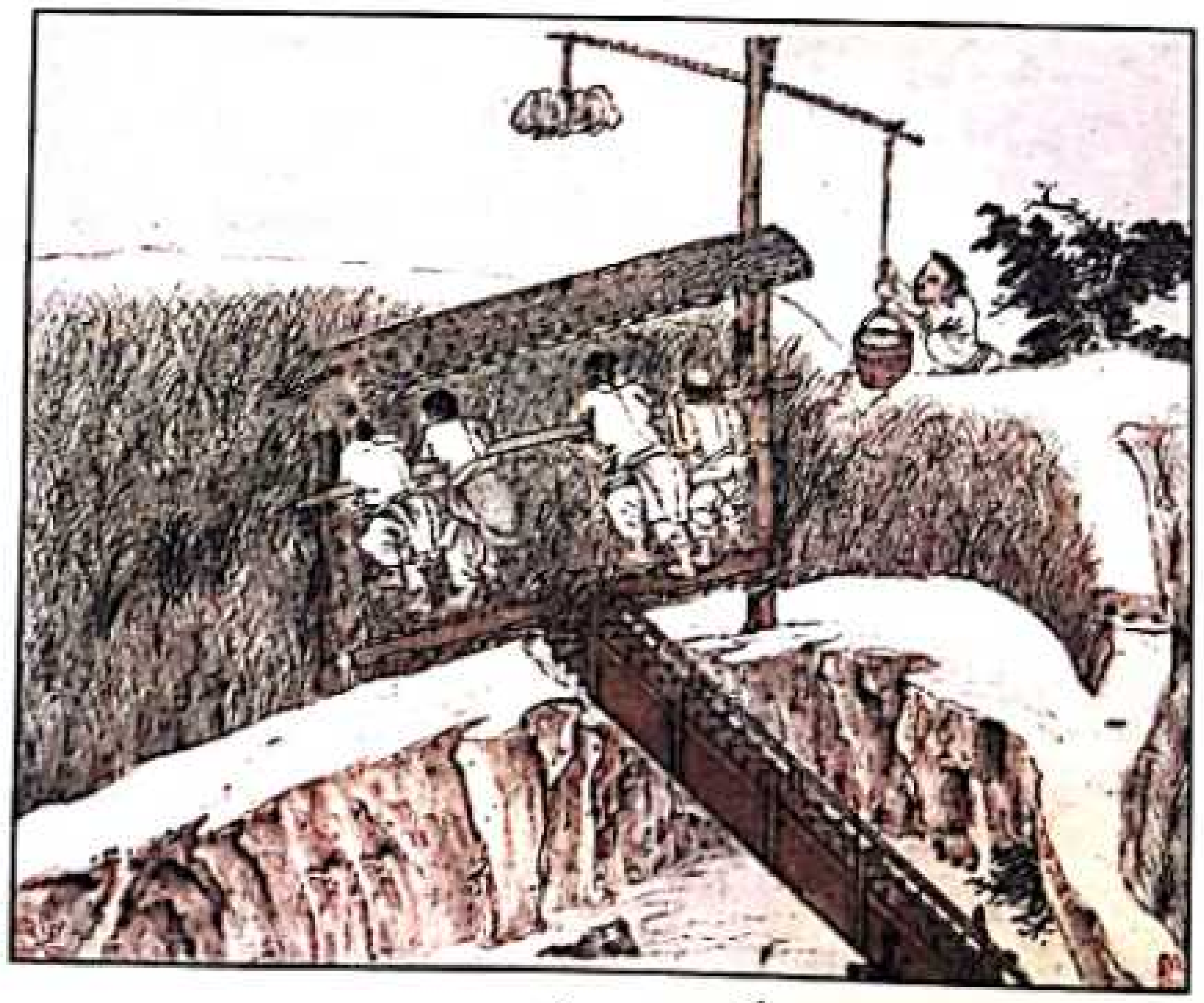

چینی کسان کھیتی باڑی کرتے ہوئے

مٹی کے فوجی

کسانوں کو دو سال کے لئے فوج میں ملازمت کرنی پڑتی تھی۔ یہ پیدل فوج میں ہوتے تھے اور جنگ کے دوران سب سے زیادہ نقصان انہیں کا ہوتا تھا۔

1974ء میں ماہرین آثارِ قدیمہ نے مٹی سے بنے ہوئے ایسے ہزاروں فوجیوں کے مجسمے دریافت کئے ہیں کہ جنہیں 210 ق۔م میں ایک شہنشاہ کے مقبرے میں دفن کیا گیا تھا تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ ان مجسموں کے مطالعہ سے ماہرین نے قدیم چین کی فوج، اس کی یونیفارم اور ہتھیاروں کے بارے میں اطلاعات فراہم کی ہیں۔

یہ مجسمے ایک لحاظ سے چینی کاریگروں اور مجسمہ سازوں کے فن کا بہترین نمونہ ہیں۔

چینی زبان

چین کی زبان دنیا کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے کہ جس کا رسم الخط تیار ہو چکا تھا۔ یہ زبان تین ہزار سال پہلے شانگ خاندان کے زمانہ میں مختلف تجربوں سے گذری۔ چن حکمرانوں نے اس کے رسم الخط کو معیاری بنایا اور سرکاری طور پر 3300 علامتیں منظور کیں۔ چینی زبان علامتوں یا نشانوں کی زبان ہے۔ ہر علامت یا نشان کسی ایک حرف کو ظاہر کرتا ہے۔ وقت کے ساتھ اس میں اور علامتیں شامل ہوتی چلی گئیں۔ سنہ 121ء میں جب اس کی پہلی لغت تیار ہوئی تو اس میں 9000 علامتیں تھیں۔ بعد میں ان کی تعداد بڑھ کر 40,000 ہوگئی۔

چین کے سیاسی اتحاد نے معیاری زبان کو تمام چین کی زبان بنا دیا۔ چینی زبان کے رسم الخط کو جاپان، کوریا اور ویت نام کے لوگوں نے بھی اختیار کیا۔

ابتداء میں چینی لوگ ہڈیوں پر لکھتے تھے۔ بعد میں سلک کے کپڑے پر لکھائی ہونے لگی۔ اس کے علاوہ درختوں کی چھالوں، بانس سے تیار کئے ہوئے ٹکڑوں اور پرانے کپڑوں کو بھی لکھائی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ سنہ 3ء میں چین نے کاغذ ایجاد کیا جس کی وجہ سے علم کے پھیلاؤ میں اضافہ ہوا۔

رسم الخط اور زبان میں الفاظ کا ذخیرہ، ان سب نے مل کر چین میں ادب، فلسفہ اور سائنس کو پیدا کیا۔

چین کی ابتدائی شاعری میں گیت لکھے گئے۔ یہ گیت روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے تھے جیسے شادی بیاہ، شکار اور جنگ۔ بعد میں شاعری کے موضوعات میں فطرت، عشق و محبت، ہجر، اور زندگی کے معمولات آ گئے۔ چاؤ خاندان کے بادشاہوں نے شاعری کی سرپرستی کی۔ اس زمانہ میں مرثیہ لکھے گئے۔ ہان کے دورِ حکومت میں خوبصورت نثر لکھی گئی جس نے چینی زبان کو علمی و ادبی زبان بنایا۔

چینی رسم الخط

خطاطی و مصوری

چینی خطاطی

چین میں ایک تعلیم یافتہ شخص کے لئے خطاطی، مصوری، اور شاعری میں مہارت حاصل کرنا ضروری تھا۔ یہ ''تین کمالات'' کہلاتے تھے۔ خطاط یا کاتب برش سے لکھتا تھا جو جانوروں کے بالوں سے بنائے جاتے تھے۔ خوبصورت اور دل آویز لکھائی کے لئے یہ سالوں مشق کرتے تھے، تب جا کر ماہرِ فن ہوا کرتے تھے۔

چین میں مصوری کو خطاطی کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا۔ مصور بھی اسی قسم کا برش استعمال کرتا تھا کہ جو خطاط کرتا تھا۔ مصور شہروں، گاؤں، جانوروں، اژدھوں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں اور پھولوں کی تصاویر بناتے تھے۔ ان تصاویر کی خصوصیات ان کے رنگ، باریکی، نزاکت اور خوبصورتی ہوا کرتی تھی۔

چینی مصوری کا ایک نمونہ

چین میں بادشاہوں، امراء اور جنرلوں کو تاریخ سے بہت دلچسپی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ تاریخ کے ذریعہ ان کا نام اور کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں۔ چین کے حکمراں خاندان اس مقصد کے لئے مورخوں کو ملازم رکھا کرتے تھے تاکہ وہ ان کے خاندان کے حالات لکھیں۔ لہٰذا اس وقت ہمارے پاس 26 حکمراں خاندانوں کی تاریخ موجود ہے۔ پہلا مورخ جس نے تاریخ لکھنے کے اصول مقرر کئے وہ سوماشین تھا، جو شاید پہلی یا دوسری صدی ق۔م میں تھا۔ اس کے بعد سے تاریخ میں دربار کے حالات، بادشاہ کے خاندان کے بارے میں، عہدے داروں کی تفصیل، انتظام سلطنت، جغرافیائی معلومات، ستاروں کی حرکات اور موسیقی کی تفصیلات ہوتی تھیں۔ ان تاریخوں میں بادشاہ کے عدل وانصاف کا خاص طور سے ذکر ہوتا تھا۔ شاہی مورخ کے لئے یہ خطرہ بھی ہوتا تھا کہ اگر بادشاہ اس سے ناراض ہو جائے تو اسے سخت سے سخت سزا دی جا سکتی تھی یہاں تک کہ سزائے موت بھی۔ جب ایک مورخ کو سزا دی گئی اور اس کے جسم کے اعضاء کاٹ لئے گئے تو اس نے کہا کہ

> ''وہ اس ذلت کو اس لئے برداشت کرے گا کیونکہ اسے ایک ایسی تاریخ لکھنی ہے جو آنے والی نسلوں کو علم وآگہی دے گی۔''

چونکہ تاریخ دربار تک رہی اس لئے عام لوگوں کے بارے میں ہماری معلومات بہت کم ہیں۔ اب موجودہ دور کے مورخ کوشش کر رہے ہیں کہ جہاں سے بھی معلومات ملیں انہیں حاصل کر کے لوگوں کی تاریخ لکھیں کہ اصل تاریخ بنانے والے حکمراں، جنرل، اور امیر لوگ نہیں تھے بلکہ کسان، کاریگر اور مزدور تھے۔

ان تاریخوں سے عورتیں بھی غائب ہیں۔ اب مورخ عورتوں کے کاموں کا جو اثر سماج پر ہوا ہے اس کو اجاگر کر رہے ہیں۔

بیماریاں اور علاج

چین کے لوگوں کو اپنی صحت کی فکر رہتی تھی، اس لئے حکیموں، اور طبیبوں نے اس پر خاص طور سے تحقیق کی اور انسانی جسم کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں۔ ان کی اس تحقیق کا نتیجہ تھا کہ انہیں کئی متعدی بیماریوں کے بارے میں پتہ چلا اور وہ ان بیماریوں کی علامتوں سے واقف ہوئے۔ اس لئے انہوں نے اچھی صحت کے لئے غذا کی اہمیت پر زور دیا۔ وہ بیماریوں کا علاج جادو ٹونے سے نہیں کرتے تھے بلکہ جڑی بوٹیوں سے دوائیں تیار کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ 1892 جڑی بوٹیاں تھیں جو چینی حکیموں نے دریافت کی تھیں۔ ان کے ہاں آکوپنکچر کے ذریعہ بھی علاج کیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ علاج چین میں 2000 سال سے رائج تھا۔

چینی لوگ صحت کی طرف اس لئے بھی توجہ دیتے تھے، کیونکہ ایک صحت مند اور توانا لڑکا خاندان کو آگے بڑھانے کے لئے ضروری تھا۔

چین میں معالج کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ پہلے طب کا امتحان دے۔ اس کے بعد اسے علاج کرنے کی اجازت تھی۔

تاؤمت کے ماننے والے یہ یقین رکھتے تھے ایسی دوا یا کیمیا موجود ہے کہ جسے کھا کر انسان ہمیشہ کے لئے زندہ رہ سکتا ہے۔ موجودہ دور میں ایک بار پھر چینی جڑی بوٹیوں اور آکوپنکچر سے علاج ہو رہا ہے۔

آکوپنکچر کا طریقۂ علاج

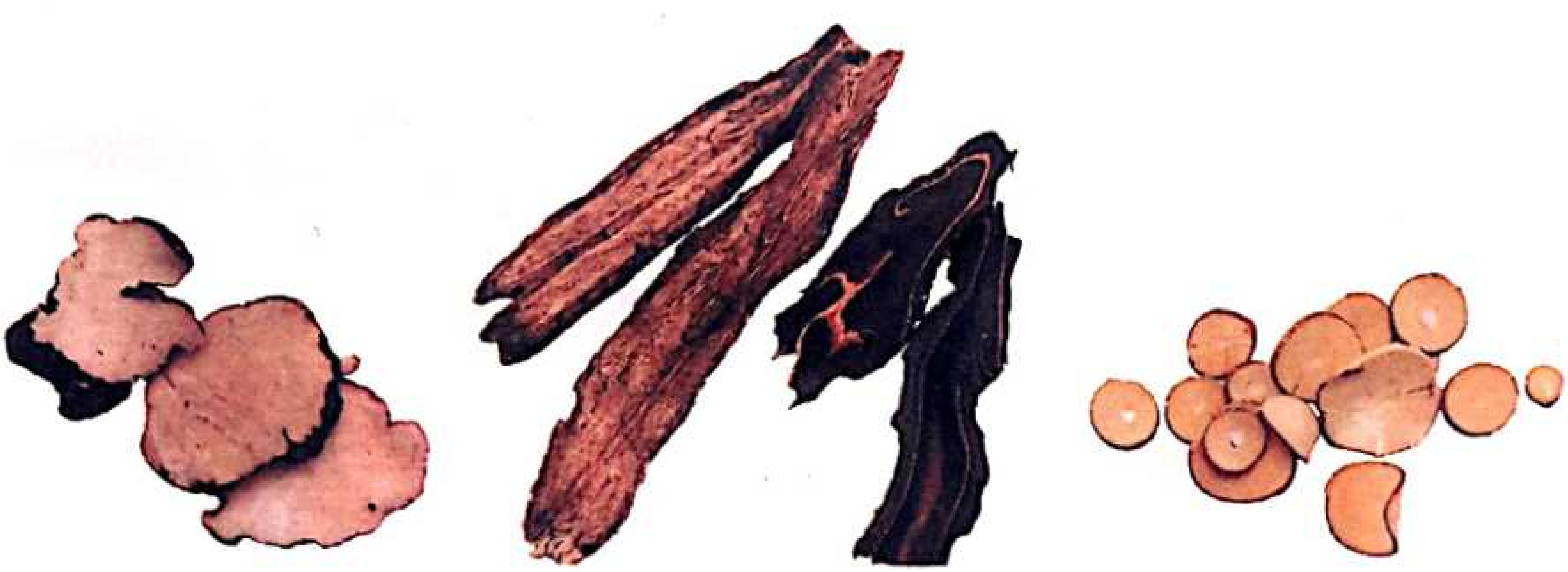

جڑی بوٹیاں

کاریگر

یہ قاعدہ ہے کہ جیسے جیسے تہذیب ترقی کرتی ہے لوگوں کے رہنے، سہنے اور استعمال کی اشیاء میں خوبصورتی آتی چلی جاتی ہے۔ حکمراں اور امراء خاص طور سے اپنے محلات شاندار تعمیر کراتے ہیں۔ استعمال ہونے والا فرنیچر نئے نمونہ کا ہوتا ہے۔ ہتھیاروں میں جدت آجاتی ہے۔ زیورات دلکش ہوجاتے ہیں۔ کھانے پینے کے برتن آرٹ کا نمونہ ہوجاتے ہیں۔ یہی سب کچھ چین کی تہذیب میں ہوا۔ اس وجہ سے کاریگروں اور ہنرمندوں کی سماج میں قدر ہوگئی۔ یہ لوگ نہ صرف ضرورت کی چیزیں بناتے تھے، بلکہ ان چیزوں کو گاہکوں کے مرتبہ کے مطابق سستا یا مہنگا تیار کرتے تھے۔

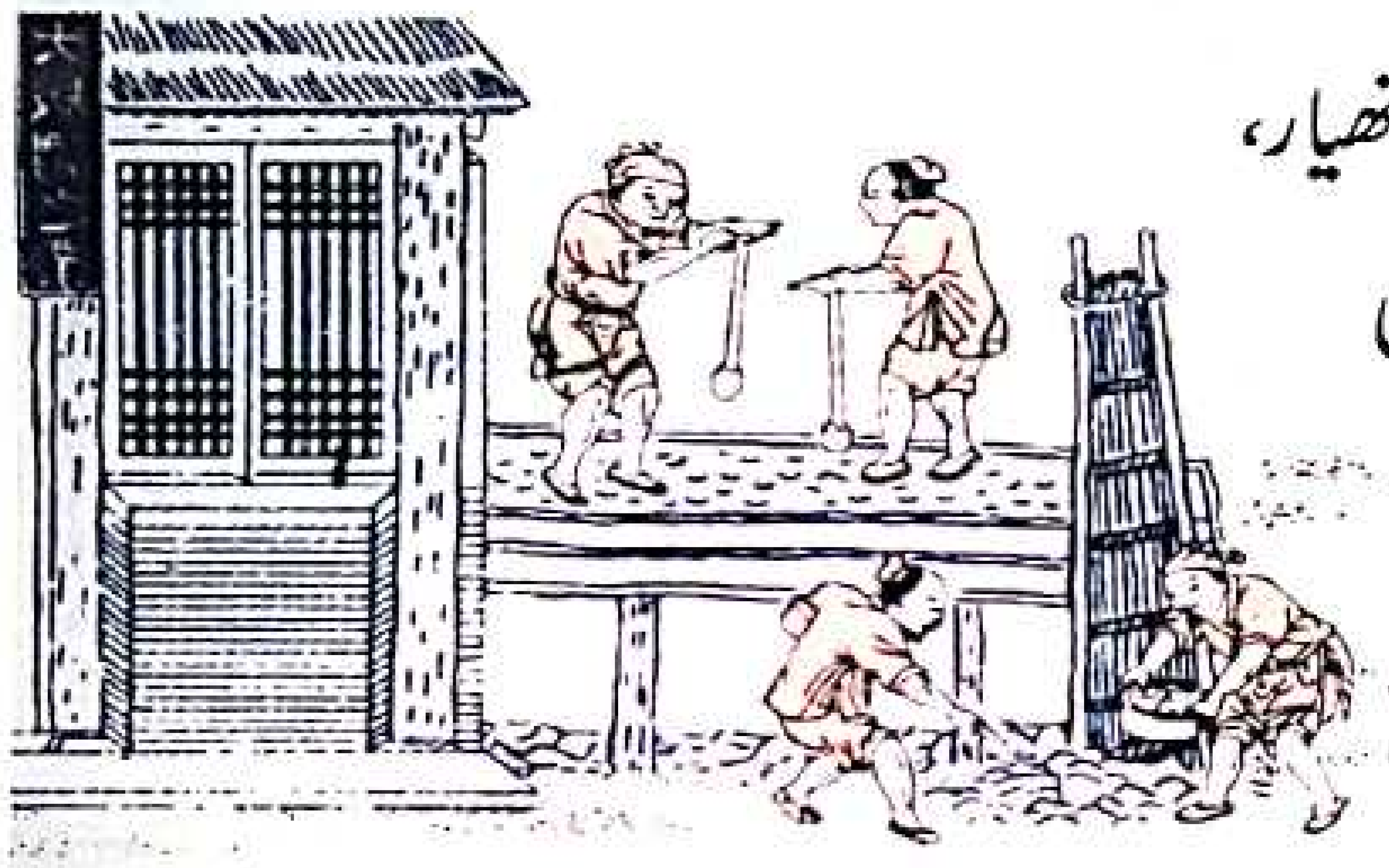

چینی کاریگر کام کرتے ہوئے

چین کے حکمرانوں کے شاہی کارخانے تھے جہاں قیمتی لباس، ہتھیار، سکّے، کانسی کے آئینے، کھانے پینے کے برتن، اور سلک پر کشیدہ کاری کئے ملبوسات تیار ہوتے تھے۔ خاص طور سے چینی کے برتن اپنی خوبصورتی اور نزاکت کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہوگئے تھے۔ برتنوں پر سنہری کام بھی سب سے پہلے چین ہی میں ہوا۔ سلک کی تیاری کو چین میں راز رکھا جاتا تھا۔ اس لئے ایک عرصہ تک دوسرے ملکوں کے لوگ اس کی تیاری سے ناواقف رہے۔

تاجر

چین میں تاجروں کا سماج میں سب سے آخری درجہ تھا، کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ کسانوں اور کاریگروں کی طرح وہ پیداوار کے عمل میں حصہ نہیں لیتے تھے، بلکہ محض چیزیں خریدتے اور بیچ دیتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں قابل احترام نہیں سمجھا جاتا تھا۔

کسی بھی ملک میں تجارت اس وقت بڑھتی ہے کہ جب وہاں سیاسی استحکام ہو، بدامنی نہ ہو، لوٹ مار کا خطرہ نہ ہو۔ اس لئے جب چین میں مضبوط سلطنتیں قائم ہوئیں تو ملک میں امن وامان قائم ہوا، شاہراہیں محفوظ ہوگئیں۔ شہروں کی آبادی بڑھ گئی، اور یہ تجارت کے مرکز بن گئے۔ ہر شہر میں ایک بڑی مارکیٹ ہوا کرتی تھی۔ یہ نہ صرف خرید وفروخت کی جگہ ہوتی تھی، بلکہ لوگوں کو ملنے ملانے کے مواقع بھی فراہم کرتی تھی۔ یہاں دکانیں اور اسٹال قطار سے لگے ہوتے تھے جہاں سبزی، گوشت، کپڑا، مشروبات، جانور اور غلام فروخت کئے جاتے تھے۔ لین دین کے لئے تانبے کے سکوں کا رواج تھا۔

سرکاری عہدے دار دکانداروں پر نظر رکھتے تھے کہ وہ بے ایمانی نہ کریں، یعنی کم نہ تولیں اور پیمائش وناپ میں کمی نہ کریں۔ حکومت دکان داروں سے ٹیکس وصول کرتی تھی۔ تجارتی سامان لے جانے کے لئے سڑکیں شہروں اور قصبوں کو ملاتی تھیں۔ دریائی راستے بھی تھے کہ جن میں کشتیوں کے ذریعہ سامان لے جایا جاتا تھا۔ جب تجارت بڑھی تو تاجر طبقہ کے پاس پیسہ آ گیا۔ اور وہ محلات میں رہنے لگے۔ ان کے لڑکے نوکر شاہی میں ملازم ہونے لگے اور لڑکیوں کی شادی امراء سے ہونے لگیں۔ چین کے تاجر دوسرے ملکوں میں سلک، چینی کے برتن، اور لوہے سے بنی اشیاء لے جاتے تھے اور ان کے بدلے میں سونا وچاندی لے آتے تھے۔

چینی شہر کی تجارتی مارکیٹ

روزمرّہ کی زندگی: خاندان

چین کے لوگ خاندان کی شکل میں مل جل کر رہا کرتے تھے۔ خاندان کے ادب آداب اور اصول تھے جن کی پابندی ہر فرد پر لازمی تھی۔ روایتی گھر کئی حصوں میں بٹا ہوتا تھا اور ہر حصہ کا صحن علیحدہ ہوتا تھا۔ گھر کا دروازہ باہر والے صحن میں کھلتا تھا، یہاں مہمان یا تاجر آتے تھے۔

باہر والے حصہ میں مہمانوں کے لئے کمرے ہوتے تھے۔ یہاں پر عام طور سے ایک کتب خانہ بھی ہوتا تھا اندرونی صحن گھر والوں کے لئے تھا۔ گھر کا سربراہ دادا بچوں کے ساتھ یہاں رہتا تھا۔ دوسرے کمروں میں گھر کے قریبی رشتہ دار رہا کرتے تھے۔

گھر کے پچھلے حصہ میں باورچی خانہ ہوتا تھا۔ یہیں پر ملازموں کے کمرے ہوتے تھے۔ کچھ گھروں میں باغ بھی ہوا کرتا تھا۔ خاندان میں ادب آداب کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا۔ بیٹا باپ کو جھک کر آداب کرتا تھا بیوی شوہر کی اطاعت کرتی تھی۔ خاندان میں سب لوگ ایک دوسرے سے محبت واحترام سے ملتے تھے۔ چین کے مشہور فلسفی کنفیوشس نے خاندان کی مضبوطی کو چین کی ترقی اور استحکام کے لئے ضروری قرار دیا تھا۔

چینی خاندان

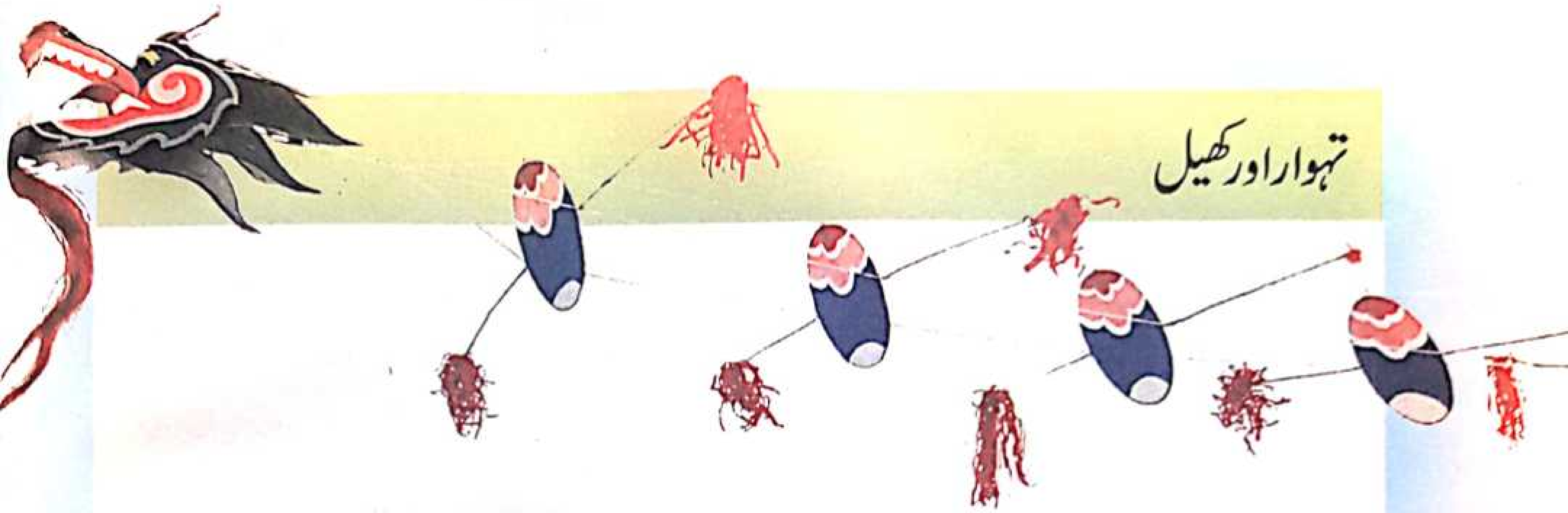

تہوار اور کھیل

جہاں تک عام لوگوں کی زندگی کا تعلق ہے۔ یہ صبح سے شام تک کام کرتے تھے۔ ہفتہ میں چھٹی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ تفریح، کھیل کود، اور تہواروں کے لئے وقت نکال لیتے تھے۔ چینیوں کے بہت سے قومی تہوار تھے۔ ان میں خاص طور سے نئے سال کا تہوار سب سے زیادہ جوش وخروش سے منایا جاتا تھا۔ یہ بہار کے موسم سے شروع ہوتا تھا اور پندرہ روز تک اس کا جشن ہوتا تھا۔ اس موقع پر خاندان کے لوگ مل کر کھاتے اور خوشیاں مناتے اور ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے تھے۔

دوسرا اہم تہوار اجداد کی پوجا کا ہوتا تھا۔ اس موقع پر یہ اپنے آباء واجداد کی قبریں صاف کرتے اور ان کی روحوں کے لئے کھانا تیار کرتے تھے۔

فرصت کے وقت میں کارڈ، شطرنج، یا جوا کھیلتے اور پتنگیں اڑایا کرتے تھے۔

شطرنج یا جوا کھیلنے والے مہرے

کارڈز

لباس وزیورات

امیر اور غریب لوگوں کے لباس بالکل علیحدہ ہوا کرتے تھے۔ کسان اور غریب لوگ سن کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے جب کہ امراء، امراء کی خواتین، پجاری، سرکاری عہدے دار سلک کے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ یہ صرف ان کے لئے مخصوص تھے۔ عام لوگوں کو اجازت نہیں تھی کہ سلک کو استعمال کریں اور ان جیسا لباس پہنیں۔ یہاں تک کہ وہ تاجر جو سلک کی تجارت کرتے تھے وہ بھی اسے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کوئی اس قانون کی خلاف ورزی کرتا تھا تو اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔

سرکاری کارخانوں میں سلک اور سن کے بنے کپڑے جمع رہتے تھے تا کہ جب بھی ضرورت پڑے تو انہیں کام میں لایا جائے۔ بعد میں روئی کے کپڑوں کا استعمال ہونے لگا، مگر اس نے سلک کی جگہ نہیں لی۔ لباس کو خوبصورت بنانے کے لئے اس پر کشیدہ کاری اور نقاشی ہوتی تھی۔ سرکاری عہدے دار اپنے لباس سے پہچانے جاتے تھے۔

جہاں لباس انسان کے وقار کو بڑھاتا ہے۔ زیورات جسم کی آرائش کر کے اسے خوبصورت بناتے ہیں۔ ان سے پہننے والے کی دولت اور مرتبہ کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ چین میں مرد اور عورتیں دونوں ہی زیورات استعمال کرتے تھے۔ عورتیں ہار، نیکلس، اور بالوں میں پن لگاتی تھیں۔ یہ میک اپ کر کے خود کو خوبصورت بناتی تھیں۔ عورتوں کے پاؤں کو چھوٹا رکھا جاتا تھا کیونکہ اسے خوبصورتی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لئے چھوٹی عمر سے ان کے پاؤں کو جکڑ کر رکھا جاتا تھا۔

چینی زیورات اورلباس

کھانا

چین میں کھانا پکانے کا فن ابتداء ہی سے ترقی کر چکا تھا، کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ خوش ذائقہ کھانے صحت کے لئے ضروری ہیں۔ اس سے انسان دواؤں سے نجات پالیتا ہے۔ اگرچہ چاول مقبول تھا، مگر شمالی علاقے کے لوگ گندم استعمال کرتے تھے۔ کھانوں کو ذائقہ دار اور لذیذ بنانے کے لئے جڑی بوٹیوں اور مسالوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ کھانا بھاپ کے ذریعہ بھی تیار کیا جاتا تھا اور گوشت کو بھون کر بھی کھایا جاتا تھا۔ کھانے میں چینیوں نے ''نوڈلز'' کو روشناس کرایا جو جلد ہی مقبول ہوگئیں۔

عام لوگوں کی غذا بہرحال سادہ ہوا کرتی تھی۔ یہ سبزی، اناج پر گذارہ کرتے تھے اور بہت کم گوشت کھایا کرتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں امراء کے ہاں بڑی بڑی دعوتیں ہوا کرتی تھیں جہاں قسم قسم کے کھانے پکا کرتے تھے۔ چین میں چھری و کانٹے کے بجائے کھانا ''چوب اسٹک'' سے کھایا جاتا تھا۔

چائے 2 صدی ق۔م میں پینا شروع ہوئی اور جلد ہی اس نے ایک فن کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے لئے چائے دانی و چائے کے پیالے تیار ہوئے۔

کھانے میں استعمال ہونے والی اسٹکس، مختلف سبزیاں اور خشک میوہ جات

موسیقی

موسیقی تفریح کا ایک ذریعہ ہے۔کنفیوشس کے بقول موسیقی غذا کی طرح ضروری ہے کیونکہ اس سے خیالات میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔لیکن اس کے نزدیک ایسی موسیقی کا ہونا ضروری ہے کہ جو انسان میں غیض وغضب اور غصہ کے جذبات کو ٹھنڈا کرے اور انسان میں نرم دلی، رحم، اور محبت کو پیدا کرے۔ بادشاہوں کے دربار میں موسیقار ہوتے تھے جو دعوتوں اور سفیروں کی آمد پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔

موسیقاروں کے مجسمے قبروں میں رکھے جاتے تھے تاکہ مرنے والوں کی روحیں ان کی موسیقی سے فیض یاب ہوں۔

دو موسیقاروں کے مجسمے

شہر

چین کے شہر فصیلوں میں گھرے ہوتے تھے۔ان کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، ہر حصہ کے اردگرد فصیلیں ہوتی تھیں تاکہ اسے محفوظ رکھا جا سکے۔ ہر حصہ کا اپنا علیحدہ سے دروازہ ہوتا تھا جو رات کو بند کر دیا جاتا تھا۔دروازے کے بند ہونے کا اعلان شہر کے چوراہوں پر رکھے ڈرم بجا کر کیا جاتا تھا۔

امیر اور غریب لوگوں کے حصے علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے۔ مارکیٹ شہر کی بڑی سڑک پر ہوا کرتی تھی۔شہر کے اندر اور باہر باغات ہوا کرتے تھے۔جس میں درختوں اور پودوں کو سلیقہ سے لگایا جاتا تھا۔ یہاں چھوٹے چھوٹے پل اور بارہ دریاں ہوتی تھیں۔ان باغات میں آ کر لوگوں کو سکون واطمینان ملتا تھا۔ یہاں پر دانشور، شاعر اور آرٹسٹ آپس میں ملا کرتے تھے اور اپنے موضوعات پر بحث ومباحثہ کرتے تھے۔

چینی تہذیب کے کارنامے

کسی بھی تہذیب کی بڑائی اس میں ہے کہ اس نے کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کیں کہ جن سے انسانیت کو فائدہ ہوا، اور دنیا کی تہذیب میں اضافے کیئے۔ چین کی ایجادات کی فہرست بہت لمبی ہے، اس میں جو چیزیں شامل ہیں۔ ان میں لوہے کا بنا ہل، مقناطیسی قطب نما، جہاز کی پتوار، زلزلہ ناپنے کا پیمانہ، چاند و سورج گرہن کے بارے میں اندازہ، نقشوں کی مدد سے ستاروں کی حرکت کا مطالعہ، پانی کی گھڑی، اعشاری نظام، ریاضی، بارود، کاغذ، چھاپہ خانہ، کاغذی کرنسی، چینی کے برتن، سلک، آتش بازی، پتنگ، چھتری، ماچس اور گھوڑے کو کنٹرول کرنے کے لئے باگ۔ تعمیرات میں محلات، پگوڈا اور دیوار چین، ان کی فنی مہارت اور انجینئرنگ کا نمونہ ہیں۔ جنگ کے فن پر سن زی کی کتاب، دنیا میں پہلی کتاب ہے، جس میں جنگ کے طریقوں پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

چینیوں کی یہ ایجاد دنیا کے دوسرے ملکوں میں بہت آہستہ آہستہ پھیلیں، مگر جب ان کا پھیلاؤ ہوا تو انہوں نے دنیا کی تاریخ کو بدلنے میں بڑا حصہ لیا۔

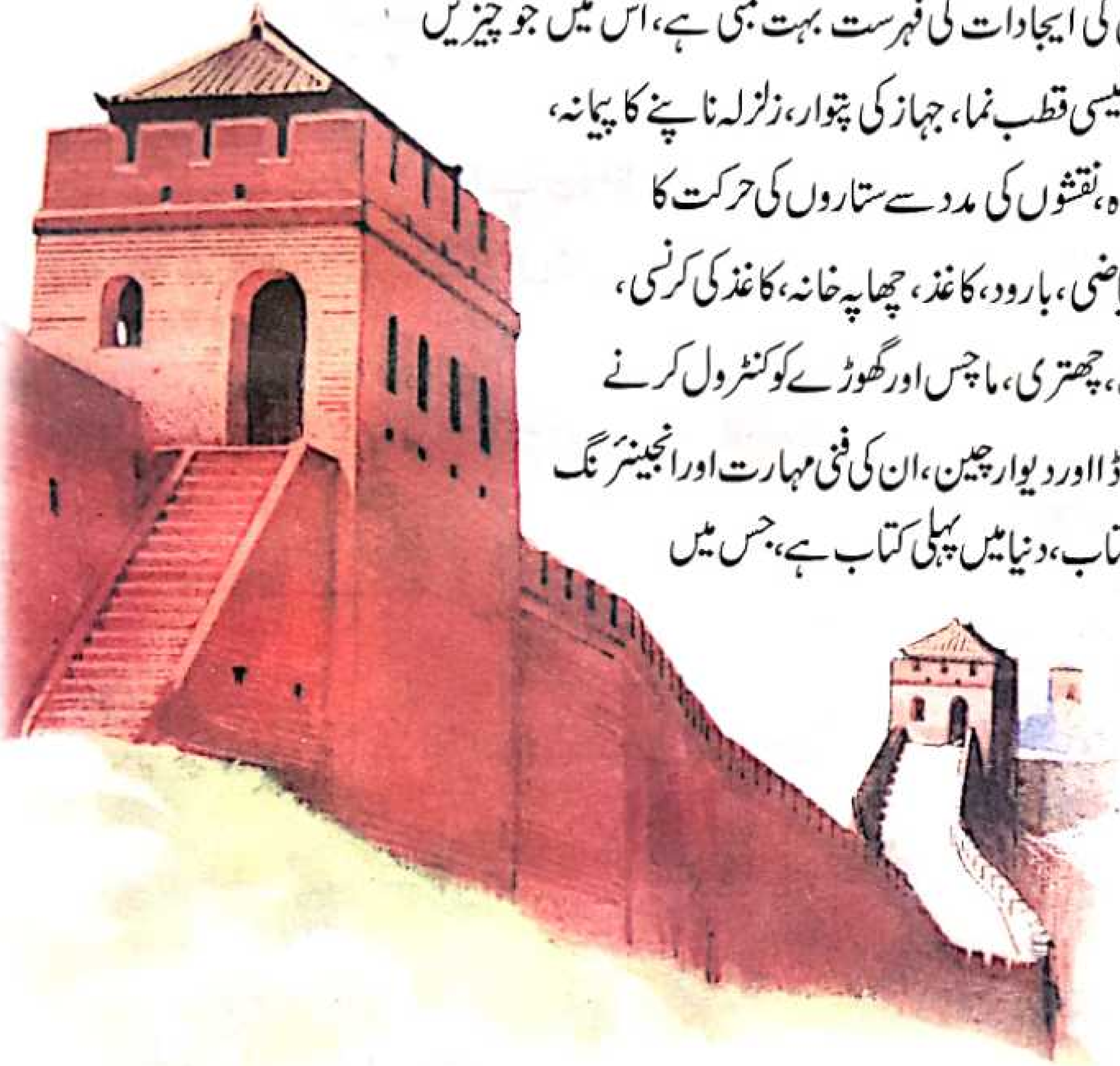

دیوار چین

چوتھا باب

یونان کی تہذیب

یونان کی ابتدائی تاریخ

یونان اور اس کے اردگرد کے جزیرے پہاڑوں اور وادیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اس کے پہاڑ اور وادیاں ایک زمانہ میں گھنے جنگلوں میں ڈھکی ہوئی تھیں۔ لیکن جب یہاں لوگ آ کر آباد ہونا شروع ہوئے تو جنگلوں کو کاٹ کر زمین کو صاف کیا گیا۔ اسے کھیتی باڑی کے قابل بنایا گیا۔ اس کے باوجود زرخیز زمین کی کمی تھی، کیونکہ زیادہ تر علاقہ پتھریلی اور سخت سطح کی وجہ سے کاشت کے قابل نہ تھا۔ اس لئے لوگ ساحلوں کے قریب اور محفوظ وادیوں میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔

ان کی خاص فصلیں گندم، جو، انگور اور زیتون ہوتی تھیں۔

قبیلے اور برادریاں پہاڑوں اور وادیوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے کٹے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کا ایک دوسرے سے ملنا بھی کم ہوتا تھا۔ سفر کرنا انتہائی مشکل تھا کیونکہ راستے نہ ہونے کے برابر تھے۔ زمینی سفر کی مشکلات کی وجہ سے لوگ سمندری سفر کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ یونانی اچھے جہاز راں بن گئے۔ سمندر میں راستوں کے بارے میں اندازہ وہ ستاروں سے کرتے تھے۔

یونان کی تہذیب 2000 ق۔م سے 200 ق۔م تک زندہ رہی۔ اس کا کلاسیکل زمانہ 500 ق۔م سے 400 ق۔م تک رہا۔ اس وقت تک یونان نے آس پاس کے جزیروں پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ بحرروم کے مشرقی علاقوں میں ان کی بستیاں آباد ہوگئی تھیں جہاں تاجر اور کسان دونوں طبقے تجارت اور کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے۔

یونان شہری ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر شہر نے اپنے اردگرد کے دیہاتوں کو اپنی سرحد میں شامل کر رکھا تھا۔ ہر ریاست کی اپنی جداگانہ شناخت تھی۔ اس کے شہری اپنی ریاست سے انتہائی وفادار تھے۔ ہر ریاست کا سرپرست کوئی ایک دیوی یا دیوتا ہوتا تھا۔ اکثر یہ زرخیز زمین کے لئے آپس میں لڑتے رہتے تھے، مگر جب بیرونی حملہ ہوتا تھا تو متحد ہو جاتے تھے جیسے 490 ق۔م اور 480 ق۔م کی دہائیوں میں ایران کے حملوں نے انہیں آپس میں ملا دیا۔ یونانی فلسفی اور سوچنے والے اپنی شہری ریاست کو خوبصورت اور دلکش بنانے کا خواب دیکھتے تھے۔ ان کے خیالات نے آگے چل کر دنیا کو متاثر کیا اور یونان کی یہ شہری ریاستیں ان کے لئے مثالی بن گئیں۔

ایتھنز کی ریاست

ایتھنز کا شہر اتھینا دیوی کی یاد میں آباد ہوا جو دانش مندی کی دیوی تھی۔ ابتداء میں شہر میں مختلف قبیلے اور برادریاں آباد ہوئیں۔ شہر نے جلد ہی اپنی خصوصیت کی وجہ سے شہرت حاصل کر لی۔ اس کی سب سے بڑی اہمیت کی وجہ اس کی بندرگاہ تھی۔ دوسرے یہاں معدنیات کی کانیں تھیں، اس وجہ سے یہاں تاجروں کا طبقہ ابھرا جو جنگ کے بجائے پُرامن ماحول کے حامی تھے۔

ایتھنز میں حالات کی وجہ سے سیاسی تبدیلیاں بھی آتی رہیں۔ ابتداء میں یہاں بادشاہت تھی کہ جس میں تمام اختیارات ایک شخص کو ملے ہوئے تھے۔ جب ان اختیارات کا غلط استعمال ہوا تو لوگوں نے ایک کے بجائے چند افراد کے ذمہ حکومت کے کام سپرد کر دیئے۔ مگر اس نظام میں امراء نے زرخیز زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ جن کسانوں کے پاس زمینیں تھیں ان سے چھین لی گئیں۔ 594 ق۔م میں تاجروں، کاریگروں، اور کسانوں نے امراء کی حکومت سے بغاوت کر کے سولن نامی ایک قانون داں کو اپنا سربراہ بنایا۔

سولن نے امن کی پالیسی کو اختیار کیا۔ ایتھنز کے ان لوگوں کو جو قرضے کی وجہ سے غلام بنا لئے گئے تھے آزاد کر دیا۔ مگر دوسرے ملکوں سے لائے ہوئے لوگ غلام ہی رہے۔ اس نے اسمبلی کے ادارے کو شروع کیا کہ جس کے ممبر تمام آزاد شہری ہو سکتے تھے۔ ججوں کا انتخاب بھی لوگ مل کر کرتے تھے۔ ایتھنز کا یہ نظام حکومت جمہوریت کہلایا۔

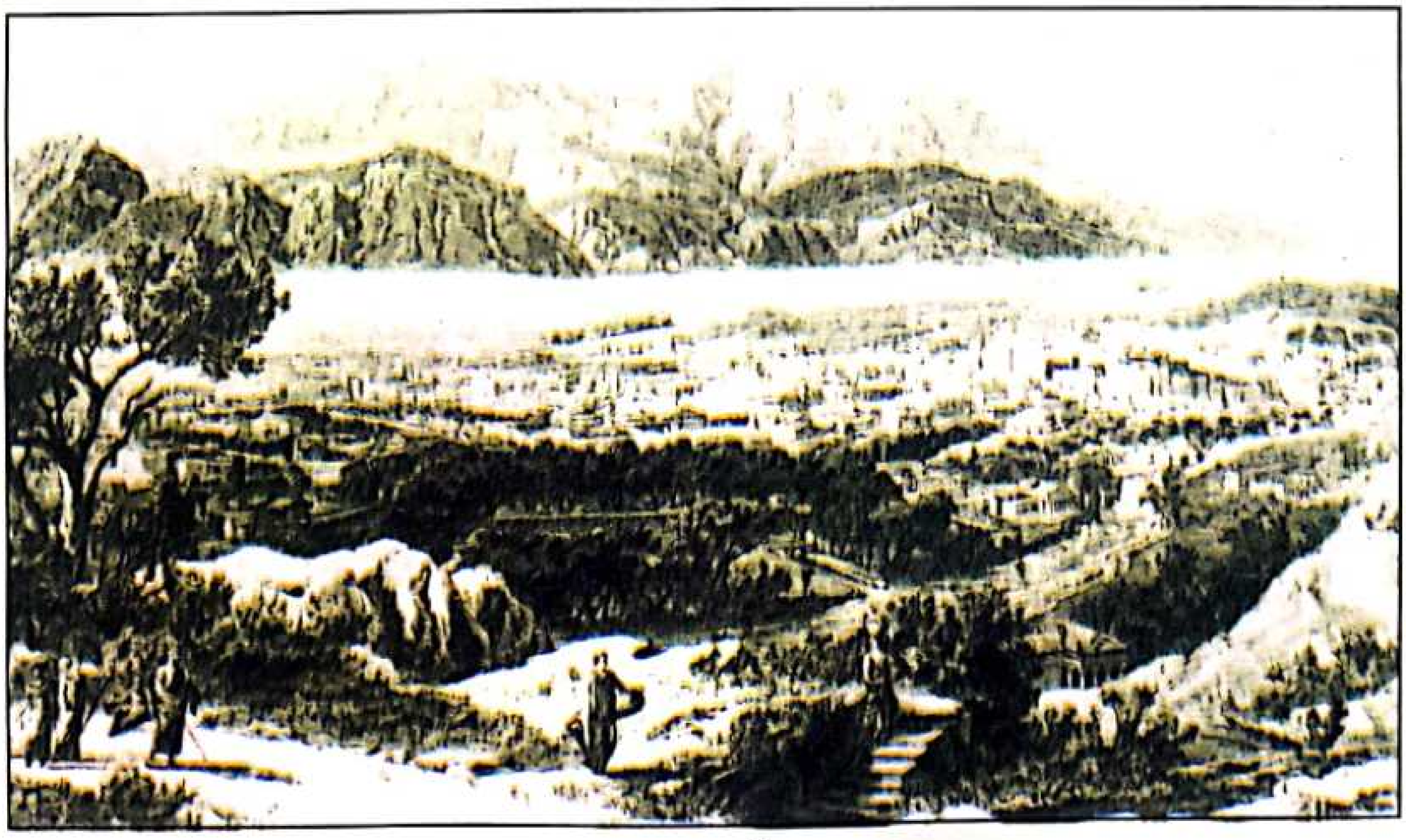

ایتھنز کا شہر

نظام حکومت

ایتھنز کی اسمبلی کا ممبر ہر آزاد شہری ہوتا تھا۔اس کی میٹنگ ایک پہاڑی پر ہوتی تھی۔اسمبلی میں امیر وغریب سب تقریر کر سکتے تھے اور ہر مسئلہ پر یہ مخالفت یا حق میں آزادی سے اپنی رائے دیتے تھے۔اندازاً میٹنگ میں 6000 کے قریب لوگ شریک ہوتے تھے۔اسمبلی اہم فیصلے کیا کرتی تھی، مثلاً: ٹیکس دینا چاہیے یا نہیں؟ اور جنگ کرنی چاہیے یا نہیں؟

اس کے بعد 500 اراکین پر مشتمل ایک ادارہ تھا جو ایک چوکور عمارت میں میٹنگ کرتے تھے۔اگر جنگ کے حالات ہوں تو اس موقع پر 10 فوجی جنرلز شہر کے دفاع کے بارے میں تجاویز دیتے تھے۔ان کا انتخاب ہر سال ہوا کرتا تھا۔

عدالت میں جیوری کا سسٹم تھا۔جیوری کے اراکین شہری ہوتے تھے، لیکن عورتیں اس میں شامل نہیں ہو سکتی تھیں۔فیصلہ وہ مہروں کے ذریعہ دیتے تھے۔اگر مہر میں سوراخ ہو تو فیصلہ مخالفت میں، اگر یہ ثابت ہو تو اس کی حمایت میں ہوتا تھا۔

شہر کے لوگوں کو یہ بھی حق تھا کہ وہ ناپسندیدہ سیاستدانوں کو شہر سے نکالنے کا فیصلہ کر سکتے تھے۔

ایتھنز کی اسمبلی کا اجلاس

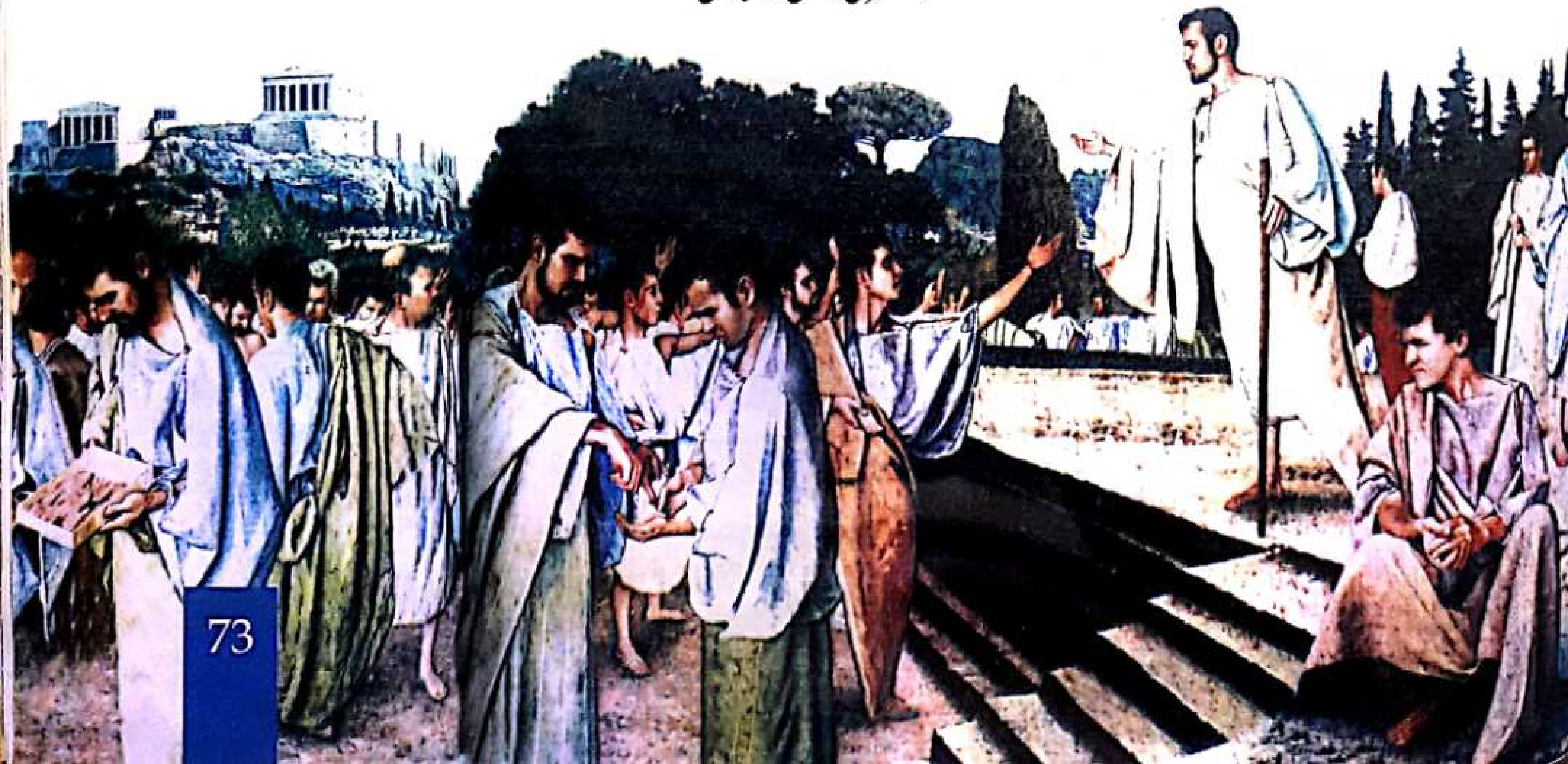

ایتھنز کا عروج

جب بھی دو ملکوں یا دو شہروں میں جنگ ہوتی تھی تو اس کے نتیجہ میں تباہی و بربادی آتی تھی۔ 480ق۔م میں ایرانیوں نے یونان پر حملہ کیا تو انہوں نے ان کے خلاف سخت مزاحمت کی اور یونان کو ایرانیوں کے سیاسی تسلط سے بچالیا۔ مگر اس جنگ میں ایتھنز کا شہر تباہ ہوگیا۔ شہر کو دوبارہ سے بنانے، آباد کرنے، اور ترقی دینے میں پیرکلس (480-323) ق۔م کا بڑا حصہ ہے۔ اس نے وسیع منصوبہ کے تحت شہر کو آباد کیا۔ ایک اونچی پہاڑی پر اس نے جو عمارت بنائی وہ ''اکروپولس'' کہلاتی ہے۔ اس کے نیچے یہ شہر آباد ہوا۔ شہر میں چوک اور کھلی جگہیں رکھی گئیں تا کہ لوگ گھوم پھر سکیں، اور بحث ومباحثہ کرسکیں۔

شہر میں جگہ جگہ مارکیٹیں تھیں جہاں تاجر اور خریداروں کا ہجوم رہتا تھا۔ قریب ہی میں بندرگاہ تھی جو تجارتی اور فوجی دونوں لحاظ سے اہم تھی۔

پیرکلس کا عہد ایتھنز کی جمہوریت کا زمانہ تھا۔ یہ زمانہ شہر کا سنہری دور کہلاتا ہے۔

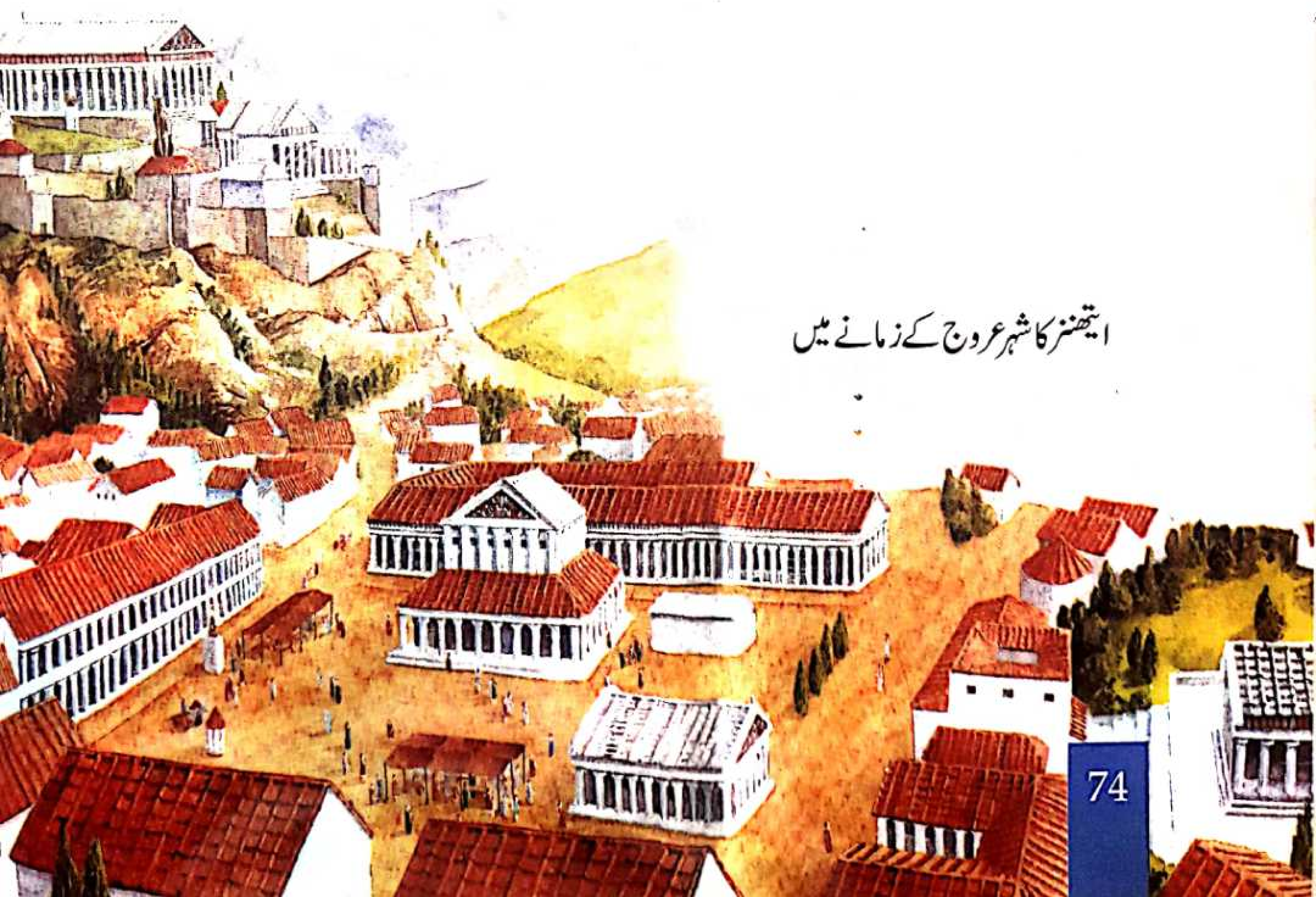

ایتھنز کا شہر عروج کے زمانے میں

ایتھنز کا سماج

جب بھی تہذیب آگے بڑھتی ہے، اور ترقی کرتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کے سماج میں طبقات پیدا ہوتے ہیں۔ یہی صورت ایتھنز کی شہری ریاست میں تھی۔ سماج دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا: آزاد شہری اور غلام۔ شہریوں کو سب سے زیادہ حقوق ملے ہوئے تھے۔ یہ جائیداد رکھ سکتے تھے، سیاست میں حصہ لے سکتے تھے اور قانون کے معاملہ میں انہیں دوسروں سے برتری تھی۔ لیکن صرف بالغ مرد شہری ہو سکتے تھے۔ عورتیں اور غلام شہری نہیں ہو سکتے تھے، غیر ملکی بھی شہریت کے حقدار نہیں تھے۔

یونان میں اور خاص طور سے ایتھنز میں غلاموں کی بڑی تعداد تھی۔ ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہیں جنگی قیدی بنا کر لایا گیا تھا۔ یہ مالک کی جائیداد ہوا کرتے تھے، وہ انہیں خریدتا بھی تھا اور فروخت بھی کر سکتا تھا۔ محنت و مشقت کے تمام کام غلام کیا کرتے تھے۔ ان میں سے جو غلام گھروں پر کام کرتے تھے انہیں پھر بھی کچھ سہولتیں تھیں، مگر جو کھیتی باڑی کرتے تھے، یا کانوں میں کام کرتے تھے، ان کے حالات انتہائی خراب تھے۔ یہ بیماری اور کمزوری کی وجہ سے جلد ہی مر جاتے تھے۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ غلام کام کر کے، پیسہ جمع کر کے اپنی آزادی خرید لیتا تھا۔ ورنہ غلام زندگی بھر غلام ہی رہتا تھا۔

ایتھنز کے لوگ ان غلاموں کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت بھی ان ہی کے ذمہ کر دی تھی۔ ان غلاموں کی وجہ سے یونان اور ایتھنز کے لوگوں کو فرصت مل گئی، اس لئے وہ اپنا زیادہ وقت جسمانی ورزش، دعوتوں، موسیقی اور بحث و مباحثہ میں صرف کرتے تھے۔ اگر معاشرہ میں یہ غلام نہ ہوتے تو یونان کے دانش ور، فلسفی اور آرٹسٹ اتنے کارنامے انجام نہیں دے سکتے تھے۔

یہ تاریخ کی بدقسمتی ہے کہ ان غلاموں کو بھلا دیا گیا ہے اور ان لوگوں کو تاریخ میں جگہ دی گئی ہے کہ جو ان کی محنت و مشقت کی وجہ سے مشہور ہوئے۔

اسپارٹا کی ریاست

اسپارٹا کی ریاست کئی لحاظ سے ایتھنز سے مختلف تھی۔ اس کی ایک وجہ جغرافیائی حیثیت تھی، یہاں واقع پہاڑوں نے اسے علیحدہ کر دیا تھا۔ 10 صدی ق۔م میں یہ ریاست قائم ہوئی اور دو سو سال کے اندر اندر اس نے اپنے ہمسایہ ریاستوں کو شکست دے کر خود کو ایک طاقت ور ریاست منوا لیا۔ ان فتوحات سے اسے دو فائدے ہوئے: ایک تو جن ملکوں کو فتح کیا تھا ان کی زرخیز زمینیں اسے مل گئیں جو اسپارٹا کے شہریوں نے آپس میں بانٹ لیں، دوسرے بڑی تعداد میں جنگی قیدی ہاتھ آئے جنہیں غلام بنا لیا گیا۔ ایک وقت میں مالدار ریاست ہونے کی وجہ سے اس نے صنعت و حرفت، موسیقی اور شاعری میں ترقی کی۔ لیکن جب ہمسایوں کے ساتھ اس کی مسلسل جنگیں ہونے لگیں تو اسپارٹا ایک فوجی ریاست بن گئی۔ اب یہ اس کی ضرورت تھی کہ اپنی بقا کے لئے طاقت ور فوج رکھے۔

اسپارٹا کی ریاست کو فوجی بنانے میں اس کے ایک قانون داں لکرگس (Lycurgus) کا بڑا حصہ ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاید یہ 900 یا 700 ق۔م میں تھا۔ اس نے جو قوانین بنائے ان میں اسپارٹا کے ہر مرد کے لئے فوجی ہونا لازمی تھا۔ اس سلسلہ میں 7 سال کے لڑکے خاندان سے لے لئے جاتے تھے، انہیں فوجی کیمپ میں رکھا جاتا تھا جہاں سخت تربیت ہوتی تھی۔ اس تربیت کی وجہ سے اسپارٹا نے یونان کے بہترین فوجی پیدا کئے۔

اس کے نظام حکومت میں ایک اسمبلی ہوتی تھی جس کے ممبر اسپارٹا کے تمام شہری مرد ہوتے تھے، مگر اصل اختیار سینٹ کے پاس ہوتا تھا جو 28 اراکین پر ہوتی تھی۔ اس میں اسپارٹا کے دو بادشاہ بھی شامل ہوتے تھے جو خاندانی طور پر فوج کے کمانڈر ہوا کرتے تھے۔

غلام تمام کام کرتے تھے، اس میں کھیتی باڑی، صفائی اور گھریلو کام، وغیرہ ہوتے تھے۔ آخر میں ان غلاموں کی بغاوتوں نے بھی اسپارٹا کو اندرونی مسائل میں مبتلا رکھا۔ جو اسپارٹا کے شہری نہیں تھے، انہیں تجارت کی اجازت تھی۔

اسپارٹا نے ایران کے خلاف جنگوں میں اہم حصہ لیا۔ 404 ق۔م تک یہ ایک بڑی فوجی طاقت تھا۔ مگر 371 اور 362 ق۔م میں اسے ہمسایہ ریاستوں سے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا، جس کی وجہ سے یہ ریاست فوجی لحاظ سے زوال پذیر ہونے لگی۔

اسپارٹا نے چونکہ اپنی تمام توجہ فوجی تربیت پر دیدی، اس لئے یہاں علمی و ادبی ترقی بالکل نہیں ہوئی، چونکہ یہ نئے خیالات سے ڈرتے تھے اس لئے دوسرے ملکوں کے سفر پر پابندی تھی۔ فرد کے لئے آزادی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ مرد تمام وقت کیمپوں میں گزارتے تھے اس لئے ان کی گھریلو زندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس لئے ایتھنز کے مقابلہ میں اسپارٹا نے نہ تو فلسفی پیدا کئے، نہ ادیب نہ شاعر، اور نہ آرٹسٹ۔ سخت ماحول اور پابندیوں نے ذہنی طور پر اسپارٹا کے شہریوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ اس لئے آخر میں یہ اپنے بوجھ تلے دب کر خود ہی ختم ہو گئی۔

جنگ

چونکہ یونان چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں میں بٹا ہوا تھا، اس لئے ان میں زرخیز زمین حاصل کرنے کے لئے جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس وجہ سے جنگ، یونانیوں کے لئے روزمرّہ کا معمول بن گئی تھی۔ فوج میں شامل ہونے کے لئے وہ خود کو صحت مند اور تندرست رکھتے تھے۔ 18 سے 20 سال کے نوجوانوں کے لئے فوجی تربیت حاصل کرنا اور فوج میں جانا لازمی تھا۔ یونانی فوج میں سب سے زیادہ اہمیت پیدل فوج کی ہوتی تھی۔ جنگ کے وقت یہ برابر کھڑے ہو کر لڑتے تھے۔

غریب لوگ بطور مددگار ہوتے تھے۔ یہ تیر کمان سے لڑتے تھے یا غلیل سے پتھر پھینکتے تھے۔ یونانیوں کی جنگوں میں فتح کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس بحری جہاز تھے، جن کی تعداد تقریباً 200 تھی۔

یونان اور ایران کے درمیان بڑی خوں ریز جنگیں ہوئیں۔ 400 ق۔م میں مراتھون کے مقام پر سخت مقابلہ کے بعد یونانیوں نے ایرانیوں کو شکست دیدی۔ 10 سال بعد ایران نے ایک بار پھر حملہ کیا۔ یہ جنگ تھرموپولی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک درہ کا نام تھا جس کی حفاظت کرتے ہوئے اسپارٹا کے فوجیوں نے ایک ایک کر کے جان دیدی۔ اگرچہ اس جنگ میں ایرانیوں کو شکست نہیں ہوئی اور انہوں نے ایتھنز کے شہر کو جلا دیا مگر وہ یونان میں رکے نہیں بلکہ واپس چلے گئے۔

ایران کے ساتھ جنگوں نے یونان کی ریاستوں کو متحد کر دیا۔ مگر جب یہ خطرہ ٹلا تو انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا اور ایتھنز و اسپارٹا کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں۔ ان جنگوں کے اثرات یونان پر کئی طرح سے ہوئے۔ سب سے بڑا نقصان تو یہ ہوا کہ اس کے نتیجہ میں جمہوریت اور جمہوری ادارے ختم ہو گئے۔ جنگوں نے یونانیوں کی توانائی ختم کر دی، جانی و مالی نقصان کی وجہ سے معاشرے میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی۔ مگر یونان کے کچھ سوچنے والوں نے اس سوال کا جواب ڈھونڈا کہ جنگ کے کیا نقصانات ہوتے ہیں، اور اس سے لوگوں کا ذہن کس طرح سے متاثر ہوتا ہے؟ لہٰذا کیا جذبات میں آ کر جنگ کرنا چاہئے، یا اس کے مقابلہ میں امن کے ساتھ رہنا چاہئے؟

جنگ کا ایک منظر

زوس

اتھینا

دیوی و دیوتا

دیویوں اور دیوتاؤں کے بارے میں یونانیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ زمین اور آسمان کی اولاد ہیں، مگران کی نظر میں وہ انسانوں کی طرح تھے، جو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، شادی کرتے تھے، بچے پیدا کرتے تھے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ عام لوگوں کی طرح یہ بھی کھیل کود اور موسیقی سے لطف اٹھاتے تھے۔ اس طرح وہ ان کا احترام بھی کرتے تھے مگر انہیں انسانوں کی طرح سرگرمیوں میں مصروف رکھتے تھے۔ ان کے مشہور دیوی، دیوتا یہ تھے:

زوس (Zeus) یہ آسمان اور بجلی کی چمک اور گرج کا دیوتا تھا۔

پوسیڈون (Poseidon) یہ زوس کا بھائی اور سمندر کا دیوتا تھا۔

ڈیونےسس (Dionysus) یہ مشروبات کا دیوتا تھا۔

اپولو (Apollo) موسیقی اور صحت کا دیوتا تھا۔

اتھینا (Athena) فتح کی دیوی تھی۔

دیوتا اور مستقبل کے سوالات

ابتداء ہی سے انسان کو اپنے مستقبل کے بارے میں جاننے کا شوق رہا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ سوالات بار بار آتے رہے ہیں کہ آنے والا وقت اس کے لئے کیسا ہوگا؟ یونان میں ان سوالات کا جواب دینے کے لئے دو ذریعے تھے۔ عام سوالات کا جواب مندروں کے پجاری دیدیا کرتے تھے جیسے شادی کرنی چاہئے یا نہیں؟ گائے یا بکری کی خریداری فائدہ مند ہے یا نہیں؟ وغیرہ۔ ان سوالات کا جواب دینے والے پجاری ہر شہر اور ہر جگہ ہوتے تھے اور عام لوگوں کو مطمئن کرتے تھے۔

مگر جو لوگ سنجیدہ قسم کے سوالات کا جواب چاہتے تھے وہ ڈیلفی میں اپالو کے مندر میں جاتے تھے، جہاں پجاری یا پجارن ان کے سوال کا جواب گول مول الفاظ میں دیتے تھے۔ اس جواب کے حل کے لئے وہ اسی مندر کے پجاریوں کے پاس جاتے تھے جو ان الفاظ کو صاف طرح سے بیان کر کے پیش کرتے تھے۔ سوالوں کا جواب پانے کا یہ طریقہ بہت مہنگا تھا، اس لئے دولت مند اور امیر لوگ ہی وہاں جاتے تھے۔

مجسمہ سازی

ایک یونانی مجسمہ

یونان نے مجسمہ سازی کے ذریعہ انسانی جسم اور خدوخال کو ڈھال کر اس کی خوبصورتی اور دلکشی کو اجاگر کیا۔ ان کے نہ صرف دیویوں اور دیوتاؤں کے مجسمے ہیں، جو کہ انسانی شکل میں ہیں، بلکہ کھلاڑیوں، سیاستدانوں، فلسفیوں اور شاعروں کے بھی مجسمے ہیں جن سے ان کی جسمانی خوبصورتی کے علاوہ ان کی دانش، عقل مندی، اور فکر ظاہر ہوتی ہے۔ ان کے دو مجسمہ تراش مشہور تھے میرون (Myron) اور فیدیس (Phideas)۔ پیرکلس نے فیڈیس کو ایتھنز کی تعمیر نو کے موقع پر اکروپولس بنانے کا انچارج بنایا تھا۔

تعمیر سازی: یونانیوں کی تعمیر کا فن ان کے مندروں سے نمایاں ہے۔ ان عمارتوں میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس کی سب سے عمدہ مثال اتھینا دیوی کا مندر ہے۔ جو پارتھی نوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔

یونانی طرز تعمیر کا اثر موجودہ زمانے کی تعمیرات پر ہوا۔ اس وقت دنیا بھر میں یہ طرز تعمیر عمارتوں میں نظر آتا ہے۔

یونان میں 800 ق۔م تک لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے۔اس وجہ سے لوک داستانیں اور کہانیاں زبانی ایک نسل سے دوسری نسل منتقل ہوتی رہتی تھیں۔ان داستانوں کا موضوع خاص طور سے ایسی شخصیتیں ہوتی تھیں، کہ جنھوں نے فتوحات حاصل کی تھیں۔ جب تحریر کا رواج ہوا تو ان داستانوں کو لکھا جانے لگا۔ ہومر یونان کا سب سے بڑا شاعر ہے جس نے ایلیڈ اور اوڈیسی دو طویل نظمیں لکھیں، ان میں یونان کے ابتدائی زمانے کی زندگی، مہمات اور روایات کا ذکر ہے۔

بعد میں یونانی ادیبوں اور شاعروں نے شاعری، ڈرامے، اور تاریخ نویسی میں اہم اضافے کئے۔ لیرک (Lyric) شاعری کی وہ صنف ہے کہ جس میں انسانی جذبات کی عکاسی ہوتی تھی۔ سیفو، مشہور شاعرہ تھی جس نے خوبصورتی اور محبت پر نظمیں لکھیں۔ پنڈار نے ان کھلاڑیوں کی تعریف میں شاعری کی جنھوں نے مقابلے جیتے تھے۔

یونانی ڈرامہ نگاروں نے فن ڈرامہ میں بہت ترقی کی۔ان کے یہ ڈرامے طربیہ اور المیہ دونوں قسم کے ہوتے تھے۔ مشہور ڈرامہ نویسوں میں اے کے لس، سوفوکلس، اور یوری پیڈس تھے۔ جنھوں نے المیہ ڈرامے لکھے ارسٹوفین نے طربیہ یا مزاحیہ ڈرامے لکھے۔

پورے یونان میں تھیٹر ہال تھے، جہاں یہ ڈرامے لوگوں کے لئے منعقد کئے جاتے تھے۔لوگ ان ڈراموں کو دیکھنے شوق سے آتے تھے۔ ان ڈراموں کے ایکٹر تمام مرد ہوا کرتے تھے۔ عورتوں کا کردار بھی وہی ادا کرتے تھے۔ شاید عورتوں کو تھیٹر میں آنے کی اجازت ہی نہیں تھی۔ اسٹیج پر ایک ہی وقت میں تین سے زیادہ ایکٹرز نہیں آتے تھے۔ ڈرامہ میں موسیقی بھی ہوتی تھی۔ موسم بہار میں ڈراموں کے درمیان مقابلہ بھی ہوتے تھے۔

یونان نے تاریخ نویسی میں بھی دو بڑے مورخ پیدا کئے۔ ایک ہیروڈوٹس ہے، جسے تاریخ کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ اس نے یونان اور ایران کے درمیان جنگوں کی تاریخ لکھی ہے۔ دوسرا تھیوسی ڈائڈس ہے، اس نے ایتھنز اور اسپارٹا کی جنگ کا حال لکھا ہے۔

ہومر

دیوی دیوتاؤں کوخوش کرنے اوران کے احترام کے لئے یونانی شاندارمندر بناتے تھے۔ان مندروں کی تعمیر سے نہ صرف ان کی مذہبی عقیدت کا اظہار ہوتا تھا بلکہ ان سے ان کی سیاست اور دولت کے بارے میں بھی اندازہ ہوتا تھا۔عام طور سے یہ مندر کسی جنگ میں فتح، یا کسی اہم واقعہ کی یاد میں بنائے جاتے تھے،ان سے دیوی دیوتاؤں کی خوشنودی مقصد ہوتا تھا کہ جنہوں نے ان کی مدد کی اور انہیں فتح دی یا کسی اہم منصوبہ کو پورا کرایا۔مندر پتھر اور سنگ مرمر کے بنائے جاتے تھے۔اس کی چھت لکڑی کی ہوتی تھی۔فرش اور دیواروں کے ٹائلز مٹی یا پتھر سے تراشے جاتے تھے۔ان کی تعمیر میں بڑی تعداد میں مزدور کام کرتے ہوں گے کیونکہ پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر توڑ کر لانے ہوتے تھے،جنہیں بعد میں تراش خراش کے بعد تعمیر میں استعمال کیا جاتا تھا۔مندروں کی شان وشوکت کے لئے ان میں جگہ جگہ مجسمے رکھے جاتے تھے۔

یونانیوں کا خیال تھا کہ اگر دیوی و دیوتاؤں کوخوش رکھا جائے تو وہ ان کی خواہشات پوری کریں گے۔لہٰذا انہیں خوش رکھنے کے لئے یہ جانوروں کی قربانی کرتے تھے اور انہیں نذرانے پیش کرتے تھے۔

مندروں کے علاوہ یونانیوں کے گھروں میں بھی پوجا کی جگہ ہوتی تھی۔ وہ دیوتاؤں کے لئے ہر سال کئی تہوار بھی مناتے تھے اور توقع کرتے تھے کہ اس کے بدلے میں وہ ان کی حفاظت کریں گے،انہیں بیماریوں سے بچائیں گے اور ان کی فصلوں کو اچھا رکھیں گے۔

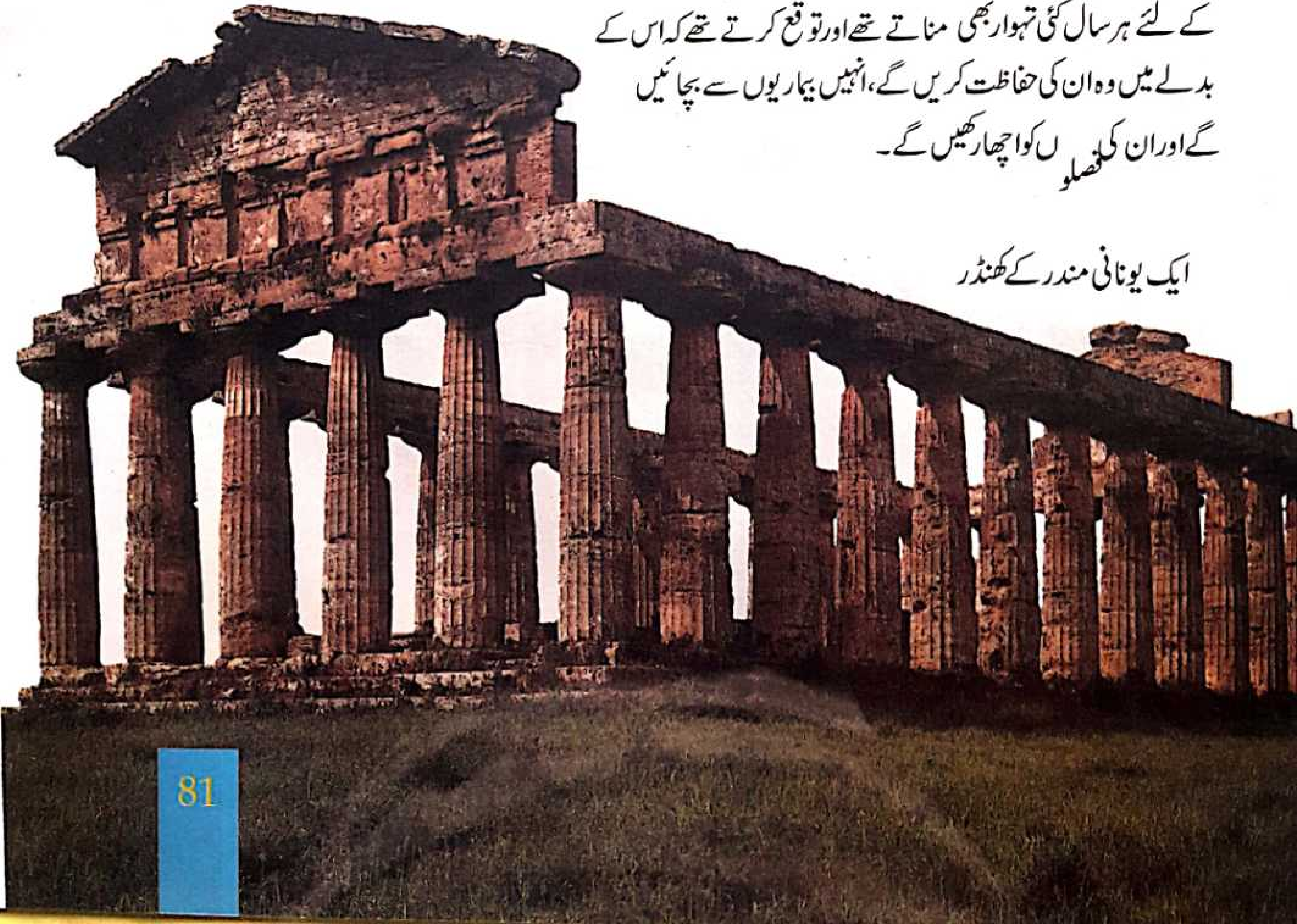

ایک یونانی مندر کے کھنڈر

یونان کے لوگوں کو اپنے اور دنیا کے بارے میں جاننے کا شوق تھا۔اس لئے ان کے ذہن میں بہت سوالات پیدا ہوئے جن کا جواب انہوں نے مذہب، فلسفہ، سائنس اور آرٹ کی مدد سے جاننا چاہا۔اس سلسلہ میں خاص طور سے یونان کے فلسفیوں نے انسان، اس کے ذہن، اور اس کے عمل و ارادے بارے میں سوچ و فکر کی، اور اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی کہ آخر انسان نیکی اور بدی میں کیوں ملوث ہوتا ہے؟ وہ اس پر بھی غور کرتے تھے کہ حالات کو کیسے بدلا جائے؟ اور زندگی کو کیسے خوشگوار بنایا جائے؟

یونان کا فلسفہ مرحلہ وار ترقی کرتا ہوا، اپنی بلندی تک پہنچا۔ابتدائی دور میں یونانی دیو مالائی قصوں، توہمات، اور فطری مظاہر کی الجھنوں میں تھے۔مگر وہ ان کی وجوہات عقل اور دلیل کے ذریعہ تلاش کرنا چاہتے تھے۔ان میں سے کچھ فلسفیوں نے جن میں ڈیموکری ٹس (Democritus) تھا روح سے انکار کر دیا تھا۔ایک اور فلسفی ہیراک لی ٹس (Heraclitus) نے تو یہ اعلان کر دیا کہ دنیا مادہ سے بنی ہے۔

فلسفیوں کا ایک گروہ جو سوفسٹس (Sophists) کہلاتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ کوئی آفاقی سچائی نہیں ہے جسے سچائی کہا جائے، اسے حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہیے، کیونکہ سچائی وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

یونان میں فلسفیوں کی ایک جماعت رواقی (Stoics) کہلاتی تھی۔ان کے نزدیک انسان کو اپنی تقدیر پر بھروسہ کرنا چاہیے، کیونکہ اسے بدلا نہیں جا سکتا ہے۔انسان کے لئے ذہنی سکون انتہائی ضروری ہے، اس لئے اس کے حصول کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے۔

فلسفیوں کا ایک اور گروہ اپی کیورین ازم (Epicurianism) کا ماننے والا تھا۔ان کا کہنا تھا کہ انسان کی سب سے بڑی کامیابی خوشی و مسرت کو حاصل کرنا ہے۔ان کے نزدیک انسانی معاملات میں دیوی دیوتاؤں کا کوئی دخل نہیں ہے۔

یونان کے مشہور فلسفی

یونان نے جن مشہور فلسفیوں کو پیدا کیا اور جن کے افکار آج تک تازہ اور زندہ ہیں، ان میں سب سے مشہور سقراط ہے۔اس کا کہنا ہے کہ علم سچائی کی جانب لے جاتا ہے۔ یہ انسان کی عادتیں، اس کے طور طریق کو درست کرتا ہے۔ یہ خوشی ومسرت کا ذریعہ ہے۔اس نے اپنے زمانے کی روایات اور توہمات پر تنقید کی، اس لئے ایتھنز میں اس پر مقدمہ چلایا گیا اوراس پر الزامات لگائے گئے کہ یہ نوجوانوں کے ذہنوں کو خراب کرتا ہے، نئے خیالات کا پرچار کرتا ہے، سوالات کر کے ہر چیز کو چیلنج کرتا ہے۔سزا کے طور پر اسے زہر پلا کر سزائے موت دی گئی۔

افلاطون، سقراط کا شاگرد تھا، اس نے مشہور کتاب ''جمہوریت'' لکھی۔اس نے تجویز دی کہ معاشرہ کو تین طبقوں میں تقسیم ہونا چاہیے، سب سے نچلا طبقہ غلاموں، کسانوں، کاریگروں اور تاجروں کا ہو، دوسرا طبقہ فوجیوں کا اور تیسرا طبقہ فلسفیوں اور دانشوروں کا جن کے پاس اقتدار اور اختیارات ہوں۔نوجوانوں کی تعلیم کے لئے اس نے ''اکیڈمی'' کی بنیاد ڈالی تھی۔

ارسطو، افلاطون کا شاگرد، اور اس کی اکیڈمی کا پڑھا ہوا تھا۔ یہ فلسفی بھی تھا اور سائنسدان بھی۔ اس نے طب، حیاتیات، علم نجوم، فلسفہ اور ادب پر لکھا۔اس کے خیالات نے آنے والی نسلوں کو بہت زیادہ متاثر کیا۔

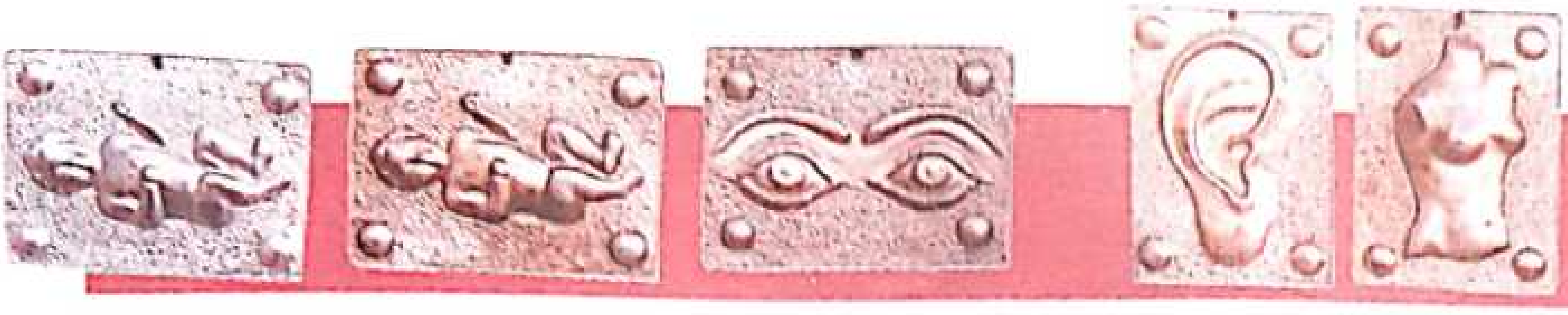

سائنس

قدیم تہذیبوں میں لوگ ستاروں کی گردش سے بڑے متاثر ہوتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کی گردش اور حرکت سے ان کی زندگیوں پر گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے تمام تہذیبوں میں ستاروں کے علم نے ترقی کی۔ اس کے ساتھ ہی یونانیوں نے جیومیٹری، ریاضی، حیاتیات، اور دوسرے سائنسی علوم کا بھی مطالعہ کیا۔ ان کے ایک سائنسداں ارس ٹارکس (Aristarchus) نے اس کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ زمین دوسرے سیاروں کی طرح سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔ اگرچہ ایک اور سائنسداں ٹالمی کا کہنا تھا کہ زمین مرکز ہے اور سورج اور دوسرے سیارے اس کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ اس کی یہ بات 17 صدی عیسوی تک لوگ مانتے رہے۔

ایک اور سائنسداں ہپارکس (Hipparchus) نے چانداورزمین کے درمیان فاصلہ ناپ لیا تھا، بعد میں تحقیق کے نتیجہ میں اس پیمائش میں صرف 320 کلومیٹرز کے فاصلہ کا فرق تھا۔

طب

انسان کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ وہ صحت مند، تندرست اور چست و چالاک رہے۔ اگر وہ بیمار ہو تو اس کا علاج جلد ہی ہو جائے۔ کیونکہ صرف صحت مند انسان ہی کامیاب زندگی گزارتا ہے، بیمار لوگ خاندان اور معاشرہ پر بوجھ ہو جاتے ہیں۔

شروع شروع میں یونان کے لوگوں کا خیال تھا کہ ان کی بیماری کی وجہ دیوتاؤں کی ناراضگی ہوتی ہے اس لئے اس کے علاج کے لئے وہ انہیں نذر نیاز دیتے تھے اور ایس لے پی یس (Asclepius) جو کہ طب کا دیوتا تھا، جس کے مندر پورے یونان میں پھیلے ہوئے تھے، اس کے مندر میں جاتے تھے۔ یہاں بیمار لوگ ایک رات گزارتے تھے۔ رات میں دیوتا خواب میں آ کر بیماری کی دوا بتاتا تھا۔ مندر کا پجاری بعد میں جڑی بوٹیوں سے دوائیں تیار کر کے دیتا تھا۔ ساتھ ہی میں متوازن غذا اور جسمانی ورزش کا مشورہ دیتا تھا۔ اس طرح انہوں نے کافی بیماریوں کے علاج دریافت کر لئے تھے۔

بعد میں بقراط نے طب کو سائنسی اصولوں پر آگے بڑھایا۔ یہ جدید طب کا بانی مانا جاتا ہے۔

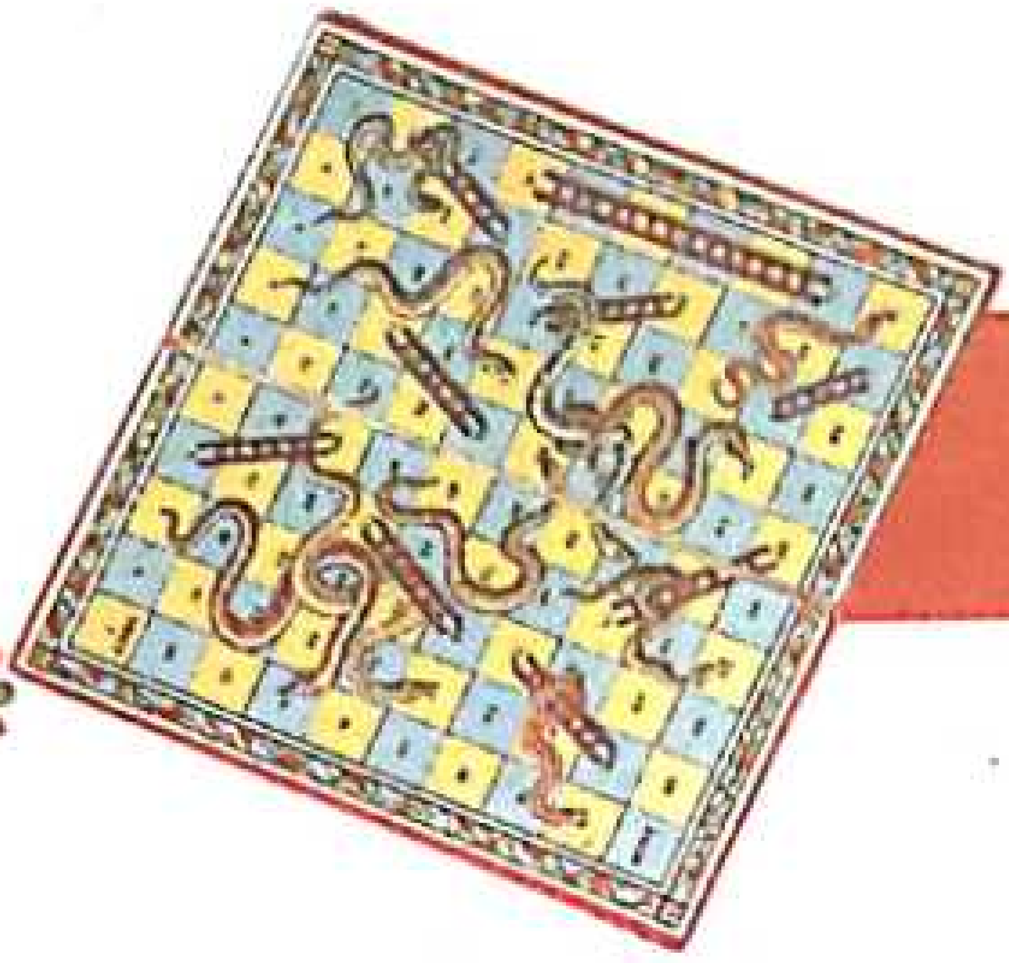

کھیل

یونانی کھیلوں میں اس لئے دلچسپی لیتے تھے کیونکہ اس سے ان کی فوجی تربیت بھی ہوتی تھی۔ وہ کھیلوں کے ذریعہ دیوی و دیوتاؤں کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے تھے۔ کھیلوں کے مقابلے سال میں کئی بار ہوتے تھے جن میں کھلاڑیوں کے علاوہ تماشائی بھی آتے تھے۔ ان میں سب سے اہم اولمپک کھیل ہوا کرتے تھے۔ یہ چار سال بعد ہوتے تھے اور 5 دن تک جاری رہتے تھے۔ یہ یونان کے مشہور دیوتا زوس کی یاد میں اولمپیا کے مقام پر ہوتے تھے۔ اس دوران جنگیں بھی روک دی جاتی تھیں تاکہ کھلاڑی حفاظت اور امن کے ساتھ سفر کر سکیں۔ ان کھیلوں میں جو کھلاڑی جیت جاتے تھے وہ اپنے خاندان اور شہر کے لئے فخر کا باعث ہوتے تھے۔ اولمپک کھیل رومیوں کے زمانے میں بھی رہے مگر سنہ 4ء میں جا کر انہیں ختم کر دیا گیا۔ اب دوبارہ سے اولمپک کھیل ہر چار سال بعد مختلف ملکوں میں ہوتے ہیں۔ جن میں دنیا بھر کے کھلاڑی حصہ لیتے ہیں۔

اولمپک کھیلوں کے علاوہ یونان کے شہروں میں بھی کھیلوں کے مقابلے ہوتے تھے۔ ایتھنز میں ایتھینا دیوی کے احترام میں ہر چار سال بعد ایسے مقابلے ہوتے تھے۔ اس موقع پر چھٹی ہوتی تھی۔ کھیل میں سخت ڈسپلن تھا، جو خلاف ورزی کرتا تھا اس کو سخت سزا دی جاتی تھی۔

یونانی کھلاڑی کا مجسمہ

کھلاڑی اولمپک مشعل لے جاتے ہوئے

کاریگر اور مارکیٹ

جب معاشرہ ترقی کرتا ہے تو اس کی ضروریات بھی بڑھتی ہیں۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کاریگر اور دست کار مختلف اشیاء تیار کرتے ہیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ یونان کے ہر شہر اور قصبے میں موجود تھے جن میں پتھروں پر نقش و نگار بنانے والے، کمہار، موچی اور جلاہے قابل ذکر ہیں۔ خاص طور سے یونانی کمہار خوبصورت اور نازک برتن بنانے میں ماہر تھے۔ ایتھنز کے برتن اور ظروف اس لئے مشہور تھے کیونکہ شہر کے قریب بہترین مٹی ملتی تھی جو آگ میں پکنے کے بعد سرخ ہو جاتی تھی۔ ایتھنز میں کمہاروں کا علیحدہ محلّہ تھا، جہاں وہ مقامی ضروریات اور دوسرے ملکوں میں بھیجنے کے لئے طرح طرح کے برتن بناتے تھے۔ ان برتنوں پر وہ مختلف قسم کے نقش و نگار، اور تصاویر بناتے تھے۔ ان تصاویر میں یونان کی روزمرّہ کی زندگی کے مناظر ہیں۔ اس کے علاوہ دیوی، دیوتا، درخت اور جانوروں کی تصاویر بھی ہیں۔

کاریگروں کی دوکانیں شہر کے بیچ مارکیٹ میں ہوتی تھیں۔ ان مارکیٹوں میں کسان بھی صبح صبح سبزیاں پھل اور پنیر بیچنے کے لئے لاتے تھے۔ یہاں صرّاف یعنی پیسہ کا کاروبار کرنے والے، تماشہ دکھانے والے، نٹ، رقص کرنے والے بھی آتے تھے۔ سرکاری عہدے دار مارکیٹ کی دیکھ بھال کرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ دکاندار ناپ و تول میں گڑبڑ نہ کریں۔ عام لوگ گھروں سے زیادہ دور نہیں جاتے تھے۔ تھوڑے سفر کے لئے گدھا سب سے اچھی سواری تھا۔

کھیتی باڑی

کسان جو کھیتی باڑی کرتے تھے ان کی زندگی محنت و مشقت اور مفلسی میں گزرتی تھی۔ اگرچہ یہ وہ لوگ تھے جو شہروں کو غذا مہیا کرتے تھے، مگر حکومتیں ان کی پیداوار پر ٹیکس لگا کر ان کی فصلوں کا زیادہ حصہ خود لے لیتی تھی اور بہت کم ان کے لئے چھوڑتی تھی۔ یہ سال میں دو فصلیں بوتے تھے: ایک موسم بہار اور دوسری موسم خزاں میں۔ ان کے پاس لکڑی کے ہل ہوتے تھے جس کے سرے پر لوہے کا پھل ہوتا تھا۔ یہ ہل بیلوں کے ذریعہ چلایا جاتا تھا۔ اچھی فصل کے لئے کسان دیوتا زوس اور دیوی دیمیتر (Demeter) جو گندم کی دیوی تھی، اس سے دعا مانگتے تھے۔ پہاڑوں کی ڈھلوان پر وہ انگور کی بیلیں لگایا کرتے تھے۔

یونان کے اکثر شہر اور گاؤں سمندر کے قریب تھے، اس لئے وہ غذا کے لئے مچھلیاں پکڑتے تھے۔ امیر لوگ ہرن اور خرگوش کا شکار کرتے تھے۔ غریب لوگوں کو گوشت اس وقت ملتا تھا، جب دیوتاؤں کی خوشی کے لئے جانوروں کی قربانی ہوتی تھی۔ ورنہ یہ لوگ سبزیاں اور مچھلیاں کھاتے تھے۔

گھریلو زندگی

یونان کے لوگ خاندان میں مل جل کر رہا کرتے تھے۔ خاندان میں ماں باپ، بھائی بہن، دادا، دادی کے علاوہ غلام بھی ہوا کرتے تھے۔ بچوں کی تعداد 5 سے 10 ہوا کرتی تھی۔ بزرگ لوگ ان کی تربیت یونانی روایات کے مطابق کرتے تھے۔ یونانی اپنے گھر میں نجی زندگی پسند کرتے تھے۔ مکان کئی طرح کے بنائے جاتے تھے۔ اکثر مکانوں میں ایک دروازہ ہوتا تھا۔ کھڑکیاں اونچائی پر ہوتی تھیں اور بہت چھوٹی، تاکہ ہوا اور روشنی آ سکے۔

امیر لوگوں کے گھروں میں زیادہ کمرے ہوتے تھے۔ باغ یا صحن گھر کے درمیان میں ہوتا تھا۔ عام طور سے صحن میں کنواں بھی ہوتا تھا جہاں کنیزیں کپڑے دھوتیں اور گھر کے لئے پانی بھرتی تھیں۔ صحن ہی میں کسی جگہ عبادت گاہ ہوتی تھی جہاں وہ دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ اکثر گھروں میں دیواروں پر نقش ونگار اور تصاویر بنائی جاتی تھیں۔ گھر میں ایک کمرہ مردوں کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ عورتیں گھروں میں علیحدہ رہتی تھیں۔

ہر خاندان میں غلام ضرور ہوا کرتے تھے۔ ان کے کوئی قانونی حقوق نہیں تھے۔ گھروں میں کھانا پکانا، کپڑے دھونا، صفائی کرنا، پانی بھرنا، اور اسی قسم کے دوسرے کام ان کے ذمہ تھے۔

خاندان میں باپ کا حکم چلتا تھا۔ جائیداد کا وارث لڑکا ہوا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے یونان کا معاشرہ پدرانہ تھا۔

یونانی گھر کا ایک منظر

دوسری تہذیبوں کی طرح یونان میں بھی آہستہ آہستہ سماج میں عورت کا مقام گرتا چلا گیا۔ 750 سے 500 ق۔م تک لڑکی کی پیدائش خاندان کے لئے باعث شرم ہونے لگی تھی۔ اس زمانے میں لڑکیوں کو پیدائش کے بعد مارنے کے واقعات ملتے ہیں۔ ابتداء میں مرد شادی کے وقت لڑکی کے والدین کو تحفہ دیا کرتا تھا، لیکن بعد میں یہ رسم ختم ہوگئی اور جہیز کا رواج ہوگیا۔

ایتھنز میں جب شہری ریاست مضبوط ہوئی تو قانون داں سولن نے عورتوں کے بارے میں سخت قوانین بنائے۔ اب امراء کی عورتیں پردے میں رہتی تھیں۔ جب باہر جاتیں تو چہرے پر نقاب ڈالتی تھیں۔ سولن نے عورتوں کے لباس کی تراش خراش کا تعین کیا۔ معاشرہ میں عورت کی سب سے زیادہ اہمیت اس لئے تھی کہ وہ خاندان کا وارث پیدا کرتی تھی۔

650 ق۔م تک یونان میں عورت مجسموں میں نظر آتی ہے، لیکن 480 اور 479 ق۔م میں ایرانیوں سے جنگ کے بعد عورت مجسموں سے غائب ہوگئی۔ لڑکی کی شادی 16 یا 18 سال کی عمر میں کردی جاتی تھی تاکہ وہ شوہر کی عادت کے مطابق خود کو ڈھال لے۔ عورت کو کسی قسم کے سیاسی حقوق نہیں تھے نہ وہ ووٹ دے سکتی تھی، نہ اسمبلی میں شریک ہوسکتی تھی، نہ جیوری اور کونسل کا ممبر ہوسکتی تھی۔ امراء کی عورتوں کے عام جگہوں پر نام بھی نہیں لئے جاتے تھے۔ عورتیں گھر سے باہر تعلیم حاصل نہیں کرسکتی تھیں۔ اس کی تعلیم کے بارے میں خیال تھا کہ ''عورت کو پڑھانا ایسا ہی ہے جیسے سانپ کو اور زہر آلود کردیا جائے۔'' عورت گھر میں مہمانوں کے سامنے نہیں آتی تھی، نہ کسی کے آنے پر دروازہ کھولتی تھی۔ اسے بازار جا کر خریداری کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ نہ ہی وہ شوہر کے ساتھ کسی محفل میں شریک ہوتی تھی۔

یونانی عورتیں

شادی کا اہم مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا ہوں، خاص طور سے لڑکے، جو خاندان کے وارث ہوں، اور گھر والوں کی کام کاج میں مدد کریں۔ بچہ کی پیدائش کے بعد اُسے باپ کے حوالے کر دیا جاتا تھا، وہ یہ فیصلہ کرتا تھا کہ اسے زندہ رکھا جائے یا نہیں۔ اگر بچہ لڑکی ہوتا یا کمزور ہوتا، اور خاندان اس کی پرورش نہیں کرسکتا تو بچہ کو کھلی جگہ میں چھوڑ دیا جاتا تھا، جہاں یا تو وہ بھوک پیاس سے مر جاتا تھا، یا اسے دوسرے خاندان والے اٹھا کر لے جاتے تھے اور بطور غلام اس کی پرورش کرتے تھے۔ اگر بچہ کو تسلیم کر لیا جاتا تو پیدائش کے دس دن بعد اس کا نام رکھا جاتا تھا۔ لڑکے 7 سال کی عمر سے اسکول جانا شروع کر دیتے تھے، لڑکیاں گھر پر رہتی تھیں۔

12 اور 13 سال کی عمر کے لڑکے، لڑکی کو بالغ سمجھ لیا جاتا تھا۔ اس موقع پر وہ اپنے کھلونے دیوی و دیوتا کی نذر کر دیتے تھے، اس کا مطلب تھا کہ ان کا بچپن ختم ہوا۔

اسکول میں لڑکے ریاضی، موسیقی، فلسفہ، خطابت اور شاعری کا مطالعہ کرتے تھے۔ امراء کی لڑکیاں گھر پر تعلیم حاصل کرتی تھیں، کاتنا، کپڑے بننا، اور گھریلو کام کاج کرنا ان کی ذمہ داری تھی۔

یونانی بچہ لکھنے کی مشق کرتے ہوئے

لباس

یونان میں اون سے کپڑا بُنا جاتا تھا، جسے بھیڑ سے حاصل کیا جاتا تھا۔لیکن بنائی کے وقت خیال رکھا جاتا تھا، اسے نفیس اور نازک طریقہ سے تیار کیا جائے۔اس لئے یہ پتلے اور ہلکے ہوتے تھے۔لوگ سن سے بنے کپڑے بھی پہنا کرتے تھے۔امراء سلک کا لباس استعمال کرتے تھے جو ان کے لئے چین سے آیا کرتی تھی۔اگرچہ بعد میں انہوں نے سلک کے کیڑوں کو پالنا شروع کر دیا تھا، مگر ان کی سلک چینی کی طرح ملائم اور نازک نہیں ہوتی تھی۔

خواتین میں چمکیلے رنگ زیادہ پسند کئے جاتے تھے۔غریب لوگ بغیر رنگ کے کپڑے پہنتے تھے۔کپڑوں کا اسٹائل عورتوں اور مردوں میں ایک جیسا تھا۔یہ بغیر سلا کپڑا ہوتا تھا جسے کندھے پر ڈال کر اسے باندھ لیا جاتا تھا۔اس کے اوپر قبا اوڑھ لی جاتی تھی۔

عورتیں لمبے بال رکھتی تھیں۔کنیزوں کو اس کی اجازت نہیں تھی۔گھر میں لوگ ننگے پیر رہا کرتے تھے، مگر جب باہر جاتے تو چپل پہنتے تھے۔عورتیں اور مرد گھر سے باہر جاتے وقت سر پر ہیٹ اوڑھا کرتے تھے تاکہ سورج کی تپش سے محفوظ رہیں۔

مالدار عورتیں سونے و چاندی کے قیمتی زیور استعمال کرتی تھیں۔کانسی کے بنے آئینے ہوتے تھے، جن میں وہ اپنا عکس دیکھتی تھیں۔

عورت، بچے، اور بالغ مرد کے ملبوسات

جسمانی صحت

کسی بھی تہذیب کی ترقی کی ایک علامت یہ ہے کہ لوگوں میں صفائی اور خوبصورتی کا احساس ہو۔ خاص طور سے لوگوں میں یہ احساس ہو کہ وہ جسمانی طور پر چست، چاق و چوبند نظر آئیں۔ یونان کے لوگ اس لحاظ سے قابلِ ذکر ہیں کہ ان میں جسمانی خوبصورتی کا خیال تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اچھے فوجی اور کھلاڑی بننا چاہتے تھے۔ اس وقت تک جسم کو برہنہ رکھنا برا نہیں سمجھا جاتا تھا، اولمپک کھیلوں میں کھلاڑی برہنہ دوڑا کرتے تھے۔

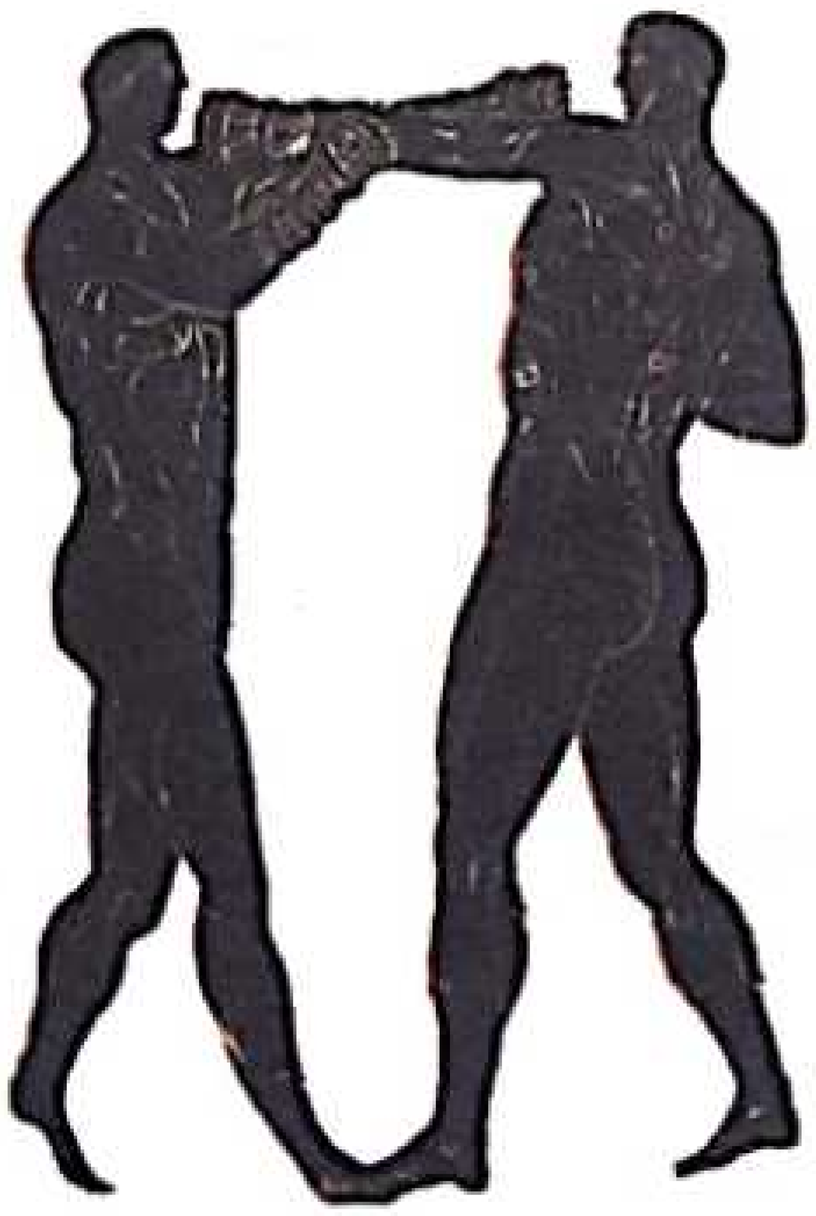

یونانی کھلاڑی

ورزش کا عام رواج تھا۔ اس کے بعد جسم پر زیتون کے تیل سے مالش کرتے تھے، تاکہ جسم چکنا اور خوبصورت ہو جائے۔

یونان کے لوگوں کی جو تصویریں اور مجسمے ملے ہیں، ان سے ان کی جسمانی خوبصورتی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان تصاویر میں یونان کے لوگوں کے جسمانی خدوخال نمایاں نظر آتے ہیں

موت

قدیم زمانہ میں لوگوں کی عمر کم ہوتی تھی، اکثر نوجوانی ہی میں مرجاتے تھے۔ مرد جنگوں کے نتیجہ میں مارے جاتے تھے تو عورتیں بچے کی پیدائش کے وقت سہولتیں نہ ہونے کے باعث مرجاتی تھیں۔ لیکن لوگ موت سے ڈرتے نہیں تھے کیونکہ ان کا یقین تھا کہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی ہے۔ ان کے خیال میں مردہ لوگوں کی دنیا زمین کے نیچے تھی، اس لئے وہ مردوں کو دفن کرتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی لاشوں کو چتا پر رکھ کر جلایا بھی جاتا تھا۔

روح کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ ایک بچہ کی طرح ہے، جس کے پر ہیں اور جو جسم سے نکل کر آسمان پر چلی جاتی ہے، یہ اس وقت تک وہاں رہتی ہے جب تک کہ دوسرے جسم میں دوبارہ سے پیدا نہ ہو۔

امراء اپنے مقبروں کو نقش ونگار سے مزین کرتے تھے۔ دیواروں پر ایسی تصاویر بنائی جاتی تھیں جن میں دعوتوں کے مناظر ہوتے تھے۔ مرنے والے کے پسندیدہ کھانے خاص طور سے اس کی قبر میں رکھ دیئے جاتے تھے تا کہ آخرت میں وہ خوشی کی زندگی گزارے۔

دفن سے پہلے مردہ جسم کو ایک کوچ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اس کے پیر دروازے کی جانب ہوتے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ گھر سے باہر جا رہا ہے۔ اس کے ماتھے پر سہرا باندھ دیا جاتا تھا۔ ماتمی لوگ کالا لباس پہن کر جلوس کی شکل میں قبرستان جاتے تھے۔ عورتیں اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر مردے کے ساتھ رکھ دیتی تھیں۔ وہ اپنے ایک گال کو بھی زخمی کر لیتی تھیں تا کہ اس سے خون نکلے، یہ غم اور افسوس کے اظہار کے لئے تھا۔

ماتمی جلوس

دعوتیں

جب معاشرے ترقی کرتے ہیں، لوگوں کے پاس دولت آتی ہے، تو اس وقت سماجی سرگرمیاں بڑھ جاتی ہیں، ان میں سے ایک سلسلہ دعوتوں کا ہوتا ہے، کیونکہ اچھا کھانا پینا نہ صرف صحت کے لئے مفید ہوتا ہے، بلکہ یہ ایک خوش گوار ماحول فراہم کرتا ہے کہ جہاں دوست، احباب، اور رشتہ دار مل کر بیٹھتے ہیں اور بات چیت کرتے ہیں۔ لہٰذا یونان میں بھی لوگ شاندار دعوتیں کرتے تھے مگر ان میں صرف مرد شریک ہوا کرتے تھے۔ قدیم یونان کے ایسے ظروف ملے ہیں کہ جن پر ان دعوتوں کے مناظر نقش کئے گئے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دعوتیں کس قسم کی ہوتی تھیں۔ ان میں امراء کی عورتیں نہیں ہوتی تھیں بلکہ کنیزیں ہوتی تھیں جو مہمانوں کو کھانا پیش کرتی تھیں، اور اپنے رقص اور گانے سے ان کو خوش کرتی تھیں۔ کھانے میں روٹی، دلیہ، دالیں، مٹر، پیاز، لہسن، مچھلی، پنیر اور قربانی کے موقع پر گوشت ہوا کرتا تھا۔

دعوت کی ابتداء پینے پلانے سے ہوتی تھی۔ اس کے بعد دیوتاؤں کی شان میں گیت گائے جاتے تھے، آنے والے مہمانوں کے گلے میں ہار ڈالے جاتے اور خوشبو لگائی جاتی تھی۔ شام کے پہلے حصہ میں مہمان فلسفہ پر بحث کرتے تھے، بعد میں ان کی گفتگو اور بات چیت میں لطیفے، کہانیاں، اور پہیلیاں آجاتی تھیں۔ رات کے آخر میں کھانے و پینے کے نشہ میں یہ اپنی کوچوں پر سو جاتے تھے۔ کنیزیں اور غلام کمرے کی صفائی کرتے تھے۔

یونانی تہذیب کے اثرات

یونانی تہذیب کے دنیا پر بڑے اثرات ہوئے، خاص طور سے علمی وادبی خیالات وافکار پر، جن میں لکھنے، بولنے، سوچنے کی آزادی شامل ہے۔ یونانی تعمیرات، مجسمہ سازی، آرٹ، ادب، شاعری، اور ڈرامہ ان سب نے مشرق اور مغرب دونوں معاشرہ کو متاثر کیا۔

عربوں نے سب سے پہلے یونانی فلسفہ کا ترجمہ عربی میں کیا۔ بعد میں ریناساں کے عہد میں یورپ نے قدیم یونان کی تہذیب کو ابھارا، خاص طور سے اس کے تاریخی آثار قدیمہ دریافت کر کے، اور اس کی پرانی کتابوں کو دوبارہ سے چھاپ کر یورپ کے ذہن کو، تنگ نظری اور تعصبات سے آزاد کیا۔

تاریخ میں تہذیبیں ختم ہو جاتی ہیں، اگر وہ اپنا علمی وادبی اور تہذیبی ورثہ چھوڑتی ہیں تو وہ ان کو زندہ رکھتا ہے۔ جو قومیں محض جنگ وجدل کرتی رہیں اور انہوں نے کوئی تہذیبی ورثہ نہیں چھوڑا، وہ تاریخ کے صفحات سے غائب ہیں۔ اس لئے تہذیب کی زندگی اس کی تخلیقی وذہنی صلاحیت میں ہوتی ہے۔ فوجی اور جنگی طاقت میں نہیں۔

پانچواں باب

رومی تہذیب

رومی تہذیب

دنیا کی تہذیبوں کے مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر تہذیب کی اپنی علیحدہ خصوصیات رہی ہیں، ان ہی خصوصیات کی وجہ سے اس کی پہچان اور شناخت بنی ہے۔ مثلاً یونان کی تہذیب میں فلسفیانہ، علمی و ادبی خیالات و افکار نے جنم لیا، اس کے مقابلہ میں رومی تہذیب میں قوت و طاقت کا مظاہرہ ہوا، اور اس نے ایک بڑی ایمپائر یا سلطنت قائم کی۔ اس ایمپائر کی شان و شوکت کو بڑی بڑی عمارتوں کے ذریعہ ظاہر کیا گیا۔ ان دو تہذیبوں نے دو ذہنوں کو پیدا کیا: یونان میں فکر کی آزادی پر زور دیا گیا، جب کہ روم میں جنگ و جدل قتل اور خوں ریزی کے مناظر نظر آتے ہیں۔

تہذیبیں اپنا ورثہ بھی چھوڑتی ہیں۔ یہ ورثہ سب کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ روم نے ایک بڑی سلطنت بنائی تھی، اس لئے اس سلطنت یا ایمپائر کے لئے اداروں کی بھی ضرورت تھی۔ آنے والی نسلوں نے ان اداروں سے فائدہ اٹھایا۔ لہٰذا جہاں یونانی تہذیب نے ذہنی ترقی کے راستے کھولے، وہاں رومی تہذیب نے سیاسی ادارے بطور ورثہ دیئے۔

قدیم روم کے کھنڈر

رومی تہذیب کی نسبت اور شہرت روم شہر سے ہے۔ یہ شہر کب بنا؟ کب آباد ہوا؟ کس نے اس کی بنیاد ڈالی؟ اس کے بارے میں معلومات نہیں ہیں۔ جب معلومات نہ ہوں تو لوگ پھر اپنی تاریخ خود بنا لیتے ہیں اور ایک ایسی خیالی تاریخ کی تشکیل کرتے ہیں کہ جو بہت جلد مقبولیت حاصل کر لیتی ہے۔ روم کے شہر اور اس کی تاریخ کے بارے میں بھی ایسی ہی کہانیاں مشہور ہو گئیں۔ ان کہانیوں کے ہیرو رومولس (Rumulus) اور ریموس (Remus) ہیں، کہا جاتا ہے کہ انہیں ایک ٹوکری میں ڈال کر دریائے ٹائبر (Tiber) میں بہا دیا گیا تھا۔ بچپن میں انہیں بھیڑیوں نے پالا، اور وہاں سے ایک چرواہا انہیں اپنے گھر لے آیا۔ ایک جھگڑے میں رومولس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا، اور 753 ق۔م میں اس نے شہر روم کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح یہ روم کا پہلا بادشاہ بنا۔

اس کے بعد سات بادشاہوں نے حکومت کی۔ ان بادشاہوں کا تعلق اٹرسکن (Etruskun) قوم سے تھا۔ انہوں نے روم میں شاندار مندر تعمیر کرایا۔ گندے پانی کی نکاسی کا انتظام کیا۔ رومیوں نے ان سے لکھنا سیکھا۔ ان کا آخری بادشاہ بڑا ظالم تھا، اس لئے 509 ق۔م میں اس کا تختہ الٹ دیا اور جمہوری نظام حکومت قائم کیا۔

رومولس اور ریموس

رومی جمہوریت

رومی تاریخ کا ابتدائی دور ''رومن ریپبلک'' کہلاتا ہے۔ ریپبلک کا مطلب ہے ''لوگوں کے معاملات'' بادشاہت کے تجربہ کے بعد رومیوں نے یہ سیکھا کہ اگر تمام اختیارات ایک شخص کے پاس جمع ہو جائیں تو اس کے نتیجہ میں بدعنوانی، ظلم و ستم، اور ناانصافی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے ایک ایسا سیاسی نظام کا قائم کیا کہ جس میں اختیارات افراد کے بجائے اداروں کے پاس ہوں اور ان اختیارات کو برابر چیک کیا جاتا رہے۔

رومی جمہوریت کے اہم ادارے یہ تھے:

1- دو کونسل ہوا کرتے تھے جو مل کر حکومت کرتے تھے انہیں ایک سال کے لئے اسمبلی منتخب کیا کرتی تھی۔ یہ فوج کی سربراہی کرتے تھے۔ قانون کا نفاذ کرنا اور انصاف دلانا ان کے فرائض میں سے تھا۔ شہر کا انتظام اور دیکھ بھال بھی ان کے ذمہ تھی۔

2- سینٹ: امراء اور طاقت ور قبیلوں کے سردار اس کے ممبر ہوا کرتے تھے۔ یہ اسمبلی کے فیصلے نامنظور کر سکتی تھی۔ مالیاتی اموراس کے پاس تھے۔ سینٹ کے ممبر زندگی بھر کے لئے ہوتے تھے بعد میں عام لوگ بھی سینٹ کے ممبر بننے لگے تھے۔

3- اسمبلی: تمام بالغ شہری اس کے ممبر ہوتے تھے۔ یہ عام لوگوں کے حقوق کی ضمانت کے لئے تھی۔ اسمبلی مجسٹریٹس کا انتخاب کرتی تھی جو صوبائی گورنروں سے منتخب ہو کر آتے تھے۔

4- ٹری بیون (Tribune) یہ منتخب لوگ ہوتے تھے۔ ان کے پاس ویٹو کی طاقت تھی (ویٹو کا مطلب ہے: میں تمہیں منع کرتا ہوں) ہر ٹری بیون ایک سال کے لئے منتخب ہوتا تھا۔ یہ جنگ مالیات، ٹیکس اور شہری انتظام کے سلسلہ میں ویٹو کر سکتا تھا۔

رومیوں کے اس سیاسی نظام میں ''چیک اینڈ بیلنس'' تھا۔ دو کونسل ہوتے تھے جو ایک دوسرے کے فیصلے کو نامنظور کر سکتے تھے۔ سینٹ جو قانون بناتی تھی، اس کی منظوری مجسٹریٹوں سے لینی ہوتی تھی۔ آخر میں اسمبلی اس کی توثیق کرتی تھی۔ اس جمہوری نظام اور اداروں نے ایک عرصہ تک روم میں آمریت اور بادشاہت کو روکے رکھا۔

کارتھیج کی جنگ

رومی جمہوریت اور اس کے نظام میں اس وقت تبدیلی آئی کہ جب رومی پہلے اپنے ہمسایوں سے جنگوں میں الجھے اور اس کے بعد ان کی جنگیں فونیقیوں سے ہوئیں جن کا تعلق شمالی افریقہ سے تھا اور جو بحرِ روم کی تجارت پر کنٹرول کرتے تھے۔ ان کے درمیان جنگ کی وجہ سسلی اور اس کی زرخیز زمینیں تھیں۔ یہ جنگیں پیونک (Punic) جنگیں کہلاتی ہیں جو 264 سے 146 ق۔م تک جاری رہیں۔ آخر میں رومیوں نے فونیقیوں کے شہر کارتھیج پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔

اس کے بعد رومیوں نے یونان اور مصر فتح کر لئے۔ اس کے بعد روم نے ایک ایمپائر کی شکل اختیار کر لی، یورپ، مغربی ایشیا، اور شمالی افریقہ میں ان کے مقبوضہ علاقے تھے۔ دوصدی عیسوی تک پہنچتے پہنچتے رومی سلطنت عروج پر تھی۔

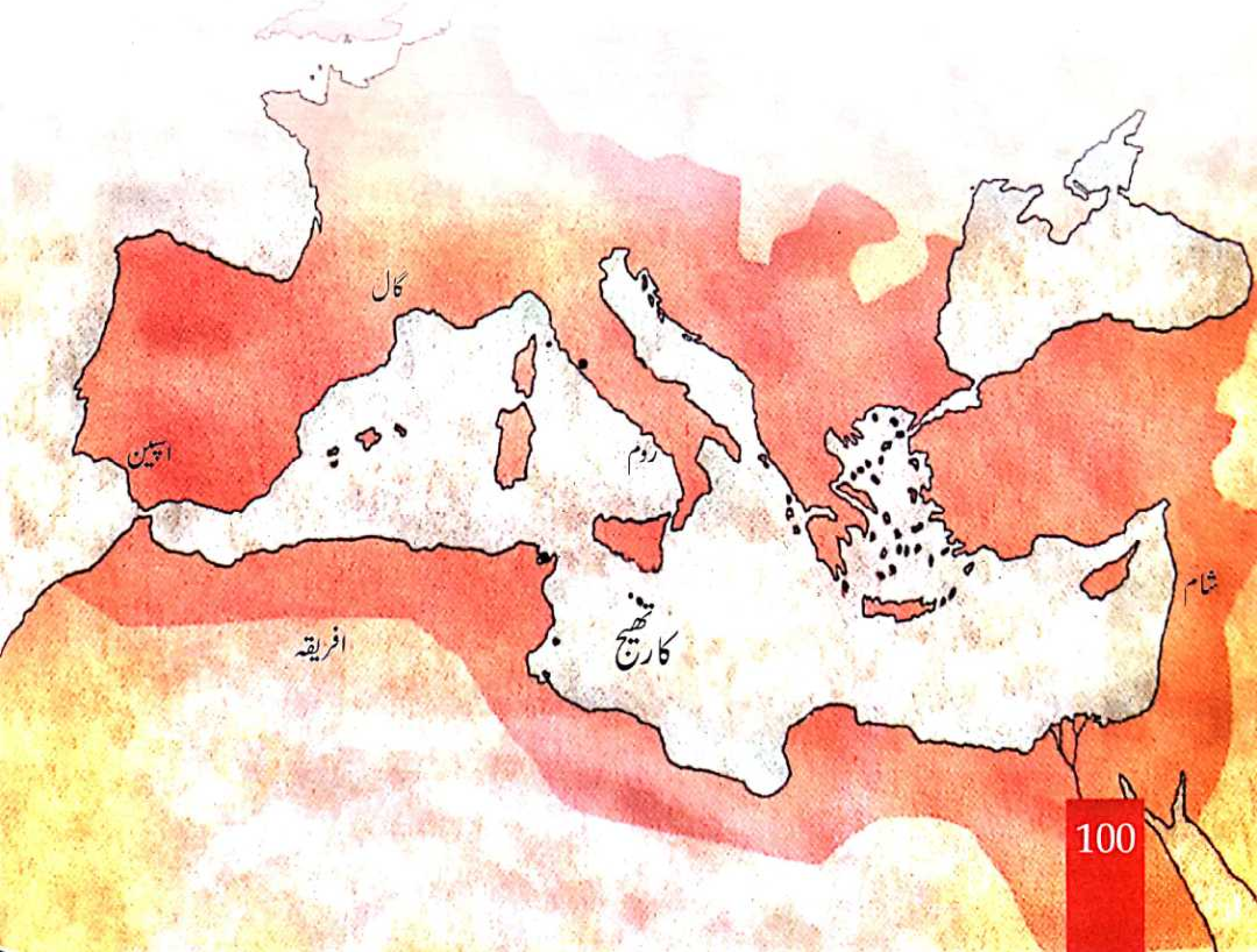

جنگ کے اثرات

رومی معاشرے پر جنگوں کے گہرے اثرات ہوئے۔جنگوں کے نتیجہ میں بڑی تعداد میں جنگی قیدیوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا جس کی وجہ سے رومی معاشرہ میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد شامل ہوگئی کہ جوفوج میں بطور فوجی لڑتے تھے۔کانوں میں کام کرتے تھے،کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے،سڑکیں اور عمارتوں کی تعمیر میں بطور مزدور کام کرتے تھے، جہازوں اور کارخانوں میں مزدوری کرتے تھے۔ان سخت کاموں، سزاؤں، اوراذیتوں کی وجہ سے وہ نوجوانی میں معذور ہو جاتے تھے یا مر جاتے تھے۔

غلاموں کی وجہ سے امراء میں محنت نہ کرنے اور کام نہ کرنے کا رواج بڑھ گیا۔دولت کا اظہار ہر طریقے سے کیا جانے لگا۔ تفریح کے لئے خوں ریز مقابلے ہونے لگے۔ان جنگوں کی وجہ سے معاشرے میں جنرلوں کی اہمیت بڑھ گئی،انہوں نے آہستہ آہستہ اسمبلیوں سے اختیارات لینا شروع کر دیئے۔عوام کو خوش رکھنے کے لئے جو بھی جنرل اقتدار میں آتا وہ ان کی مالی مدد کرتا اوران کی تفریح کے لئے ہر قسم کے مقابلے منعقد کرتا۔

جب 47 ق۔م میں جولیس سیزر کا سینٹ میں اس لئے قتل ہوا کہ سینیٹرز کو ڈر تھا کہ وہ تمام اختیارات نہ لے لے،تو اس کے بعد روم سے جمہوریت کا خاتمہ ہو گیا اور شہنشاہیت کا آغاز ہوا۔

سیزر کے قتل کا منظر

سیرز کے قتل کے بعد آکٹووین (Octovian) نے تمام اختیارات سنبھال لئے۔ اگرچہ اس نے جمہوری اداروں کو باقی رکھا، مگر شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے یہ بااقتدار ہوگیا۔ اس نے اپنے لئے آگسٹس (Augusts) کا خطاب اختیار کیا جس کے معنی ہیں "قابل احترام یا مقدس" 27 ق۔م میں یہ روم کا شہنشاہ بن چکا تھا۔ اس خطاب کے علاوہ اس نے فاتح (Imperator) کا خطاب بھی اختیار کیا۔ مگر روم کی جمہوری روایات کے تحت خود کو "ریاست کا پہلا شہری" (Princep) کہا۔

اس نے اپنے زمانہ میں مفتوحہ ملکوں کا انتظام کیا، بدعنوانی اور لوٹ مار کا خاتمہ کیا، قانون کا نفاذ کر کے امن وامان قائم کیا۔ اس لئے اس دور کو رومی امن (Pax Romana) کہا جاتا ہے۔ یہ امن 180 سال تک رہا۔

اس طرح 150 سال میں روم ایک سلطنت یا ایمپائر بن گیا۔ آگسٹس کے بعد 400 سال تک روم پر شہنشاہوں کی حکومت رہی۔ رومی شہنشاہ سونے کا تاج نہیں پہنتے تھے بلکہ درخت کے پتوں سے بنا تاج استعمال کرتے تھے جو کھلاڑیوں کو جیتنے پر پہنایا جاتا تھا۔ اکثر شہنشاہوں نے خود کو دیوتا کا درجہ دیدیا تھا تاکہ لوگ ان کے وفادار رہیں۔

لیکن جیسا کہ تاریخ میں ہوتا آیا ہے کہ ہر سلطنت یا ایمپائر اپنے عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہونا شروع ہو جاتی ہے، لہٰذا یہی رومیوں کے ساتھ ہوا۔ آخر میں نالائق حکمراں اقتدار میں آئے، خانہ جنگیاں ہوئیں، بدعنوانیاں بڑھیں، اور جگہ جگہ بغاوتیں ہونا شروع ہوئیں، اس نے بالآخر سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

فوج اور جنگ

رومی سلطنت کی طاقت، قوت، دولت، شان وشوکت اور اس کی فتوحات کی بنیاد اس کی فوج پر تھی جو تاریخ میں اپنی کامیابیوں و کامرانیوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ فوج کی اس کامیابی کے پیچھے اس کی تربیت، تنظیم اور اسلحہ کو دخل تھا۔ مثلاً رومیوں نے فوج کو لیجن (Legion) میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک لیجن میں 5000 پیدل فوجی ہوا کرتے تھے۔ جو لوگ فوج میں شامل ہوتے تھے ان کی سخت فوجی تربیت ہوتی تھی۔ انہیں فوجی قوانین، اور ڈسپلن کی پابندی کرنی ہوتی تھی۔ پیدل فوج کی سب سے زیادہ اہمیت تھی۔ چونکہ یہ بہترین تربیت کے بعد فوجی بنتے تھے اس لئے رومی شہنشاہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا۔ جیسے جیسے فتوحات بڑھتی گئیں اسی طرح فوجیوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ سنہ 2ء میں 150,000 لیجن فوجی تھے جو ہر وقت جنگ کے لئے تیار رہتے تھے۔ ان کے علاوہ فوج میں رضا کار، مددگار اور غیر رومی شہری بھی ہوا کرتے تھے۔

میدان جنگ میں فوجی اسلحہ سے لیس ہو کر جاتے تھے۔ خود سے وہ پورے چہرے کو ڈھک لیتے تھے جسم کی حفاظت کے لئے زرہ بکتر پہنتے تھے۔ ہتھیاروں کے علاوہ فوجی تھیلے میں کھانے پکانے کا سامان اور پانی کی بوتل بھی لے کر چلتا تھا۔ اس کے لئے خاص جوتے بنوائے جاتے تھے جو انتہائی مضبوط ہوتے تھے۔

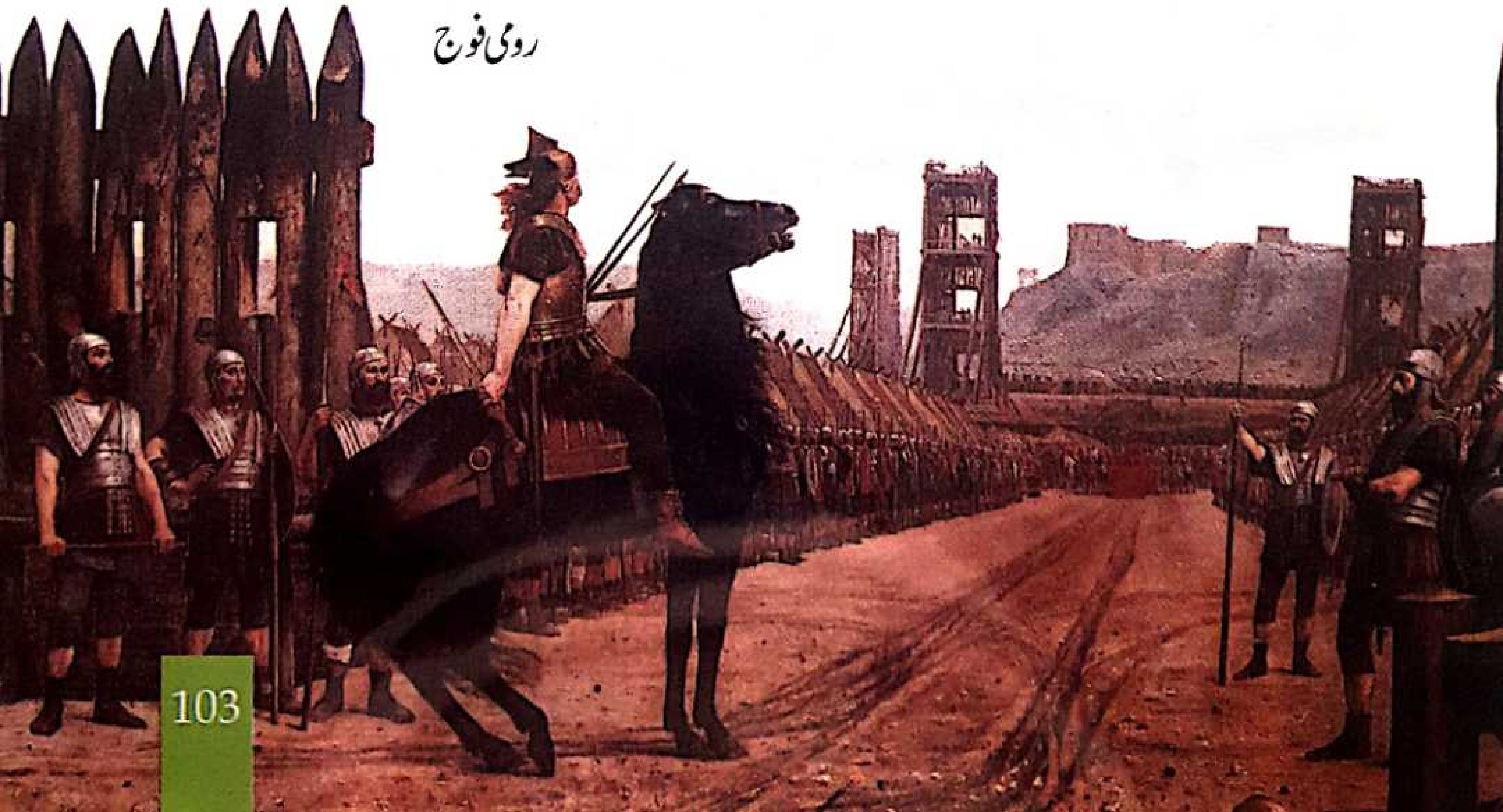
رومی فوج

فوجی اور معاشرہ

روم کے فوجی جنگ اور امن دونوں صورتوں میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ غریب لوگ فوج میں اس لئے جاتے تھے کہ اس سے معاشرے میں عزت ملتی تھی اور وہ اپنا معیار زندگی بہتر کر سکتے تھے۔ فوج میں لڑنے کے علاوہ یہ تعمیر کے کام بھی کرتے تھے کیونکہ فوج کے لئے سڑکیں اور پل بنائے جاتے تھے جن کی تعمیر میں یہ حصہ لیتے تھے۔

انہیں فوج میں رہتے ہوئے شادی کی اجازت نہیں تھی، لیکن وہ خفیہ طور پر عورتوں سے شادی کر کے بچے پیدا کرتے تھے۔ جو رومی شہری نہیں تھے، اگر وہ فوج میں شامل ہو جاتے تو انہیں کئی مراعات ملتی تھیں، مثلاً 25 سال کی ملازمت کے بعد انہیں رومی شہری کا درجہ مل جاتا تھا۔ جو فوجی لیجن سے ریٹائر ہوتے تھے، انہیں زرعی زمین یا نقد رقم ملتی تھی۔

جو رومی شہری دوسرے علاقوں میں آباد ہوئے، وہاں انہوں نے شادی بیاہ کر کے رومی رسم ورواج کو پھیلایا۔

پہلی صدی عیسوی کے آتے آتے رومی سلطنت وسیع وعریض ہو چکی تھی، لہٰذا اب اسے مزید فتوحات کی ضرورت نہیں تھی۔ رومی فوجی اب سرحدوں کی حفاظت کے لئے تھے۔ اب پیدل فوج کے ساتھ ساتھ گھڑ سوار اہم ہو گئے تھے جو ہزاروں میل پھیلی ہوئی سرحدوں کی حفاظت کرتے تھے۔

رومی فوج

قانون

جب لوگ آپس میں مل جل کر رہتے ہیں تو ضروری ہوتا ہے کہ انہیں قوانین کے ذریعہ لڑائی جھگڑوں سے دور رکھا جائے، ان کے معاملات کا انصاف کی بنیاد پر تصفیہ کیا جائے، اور ان کے حقوق وذمہ داریوں سے انہیں آگاہ رکھا جائے۔ یہ قوانین ضرورت کے تحت اور وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ رومیوں نے جو قوانین بنائے ان کی اہمیت یہ تھی کہ یہ ایک بڑی سلطنت اور اس میں بسنے والی کئی قوموں کے لئے تھے۔ یہ قوانین وقت کے حساب سے برابر بنتے گئے اور حکومت ان کا نفاذ کرتی رہی۔

ابتداء میں یہ قوانین لکھے ہوئے نہیں تھے۔ قانون بنانے کا کام امراء (Patricians) کرتے تھے۔ اس لئے لوگوں کو ان سے شکایت ہوئی کہ وہ جو چاہتے ہیں اس طرح سے قانون کا نفاذ کرتے ہیں۔ اس شکایت کو دور کرنے کے لئے 400ق۔م میں 12 کانسی کی تختیوں پر قوانین لکھے گئے اور انہیں روم کے فورم (Forum) یا چوک میں رکھ دیا گیا تاکہ لوگ انہیں پڑھ سکیں۔ یہ قوانین رومیوں کے دیوانی معاملات سے تعلق رکھتے تھے ان لوگوں کے لئے تھے جو رومی ایمپائر میں رہتے ہیں، ان میں سے کچھ کا تعلق فلسفیانہ افکار سے تھا۔

ان میں کچھ قوانین یہ تھے:

1- اگر کسی رومی شہری کو مجسٹریٹ بلاتا ہے اور وہ نہیں آتا ہے، یا اپنا قرضہ ادا نہیں کرتا ہے، تو اس جرم میں اسے گرفتار کیا جاسکتا ہے۔
2- عورتیں چاہے وہ بالغ ہی کیوں نہ ہوں انہیں بچوں کی کیٹگری میں رکھا جائے۔
3- کسی رومی شہری کو بغیر مقدمہ چلائے اور جرم ثابت ہوئے قتل نہ کیا جائے۔

ان قوانین میں برابر اضافے ہوتے رہے۔ آگے چل کر ان رومی قوانین نے جدید ریاستوں کو بھی ایک ماڈل دیا، جس پر انہوں نے اپنے قوانین بنائے۔

تختیوں پر لکھے قانون

دیوی و دیوتا

مذہب کے معاملہ میں رومی لوگ روادار تھے۔ان کی سلطنت میں لوگ ہزاروں دیویوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے اور انہیں انسانی شکل میں پیش کرتے تھے جیسے کہ یونانیوں نے اپنے زمانے میں کیا تھا۔ وہ ان دیویوں اور دیوتاؤں سے ڈرتے تھے۔اس لئے جب بھی وہ بیمار ہوتے، خطرے میں پڑتے، یا فصل خراب ہوتی تو وہ اپنے دیوتاؤں سے مدد مانگتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ اگر وہ انہیں خوش رکھیں گے، ان کو نذرانے دیں گے، اور ان کے لئے قربانی کریں گے تو اس کے بدلے میں وہ ان کی حفاظت کریں گے۔

ایسے دیوتا بھی تھے جو مکان کی حفاظت کرتے تھے اور بیماریوں سے نجات دلاتے تھے۔ان کے خاص خاص دیوی و دیوتا یہ تھے۔جیوپیٹر (Jupitor) آسمان کا دیوتا۔اس کی نشانی عقاب تھا۔اس کا مندر روم میں پہاڑی پر تھا۔جونو (Juno) جیوپیٹر کی بیوی اور عورتوں کی سرپرست۔مارس (Mars) جنگ کا دیوتا۔وینس (Venus) محبت کی دیوی۔

رومیوں کا سال مارچ سے شروع ہوتا تھا۔اس لئے یہ مارس کے احترام میں تہوار مناتے تھے۔لوگ دیوتاؤں کو کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ، ان کے لئے خوشبوئیں جلاتے تھے۔قربانی میں ایک پرندے سے لے کر جانوروں کا پورا گلہ ہوتا تھا۔مندروں میں پجاری یا پجارنیں سارے وقت کے لئے نہیں ہوتی تھیں۔سوائے چند مندروں کے۔ پجاری مذہبی رسومات کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔سب سے بڑا پجاری شہنشاہ روم ہوا کرتا تھا، اسے ایسے پل کی مانند سمجھا جاتا تھا جو لوگوں اور دیوتاؤں کے درمیان رابطے کا کام کرتا تھا۔ بہت سے رومی شہنشاہوں کو ان کے مرنے کے بعد دیوتا بنا کر ان کی پوجا کی جاتی تھی۔

عمارتیں

جیسے جیسے رومیوں کی سلطنت بڑھتی گئی، فتوحات ہوتی چلی گئیں، اسی طرح سے اس کا اظہار ان کی عمارتوں میں ہونے لگا۔ یہ عمارتیں کئی قسم کی ہوتی تھیں۔ پبلک عمارتیں کہ جن کا مقصد ایک طرف تو ریاست کی شان و شوکت کو ظاہر کرنا ہوتا تھا، تو دوسری طرف اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہوتا تھا۔ ان عمارتوں میں پل، سڑکیں، پانی کے حوض، تھیٹر، کلوزیم یا کھیل کا اسٹیڈیم اور مندر وغیرہ ہوتے تھے۔ دوسری قسم میں وہ عمارتیں تھیں کہ جو بطور یادگار تعمیر کرائی جاتی تھیں، ان میں خاص طور سے بلند و بالا مینار ہوا کرتے تھے جو فتح کی یاد میں بنائے جاتے تھے۔ تیسری قسم میں امراء کے محلات اور باغات وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ ان عمارتوں کی تعمیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ رومی ایمپائر کے پاس کافی ذرائع اور دولت تھی جو وہ ان عمارتوں پر خرچ کرتے تھے۔ مزید یہ کہ ان عمارتوں کی آرائش اور خوبصورتی پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔

اگرچہ رومیوں نے تعمیر میں یونانیوں کے طرز کو اختیار کرتے ہوئے اپنی عمارتوں میں بے شمار ستون بنائے مگر ساتھ ہی میں انہوں نے اپنا طرز بھی ایجاد کیا تھا۔ ان میں خصوصیت سے محراب اور گنبد کا استعمال قابل ذکر ہے۔ تعمیر میں یہ جو مسالہ استعمال کرتے تھے وہ چونا اور آتش فشاں پہاڑ کی چٹانیں ہوتی تھیں، ان میں راکھ کو ملا کر جو مسالہ بنایا جاتا تھا وہ سوکھنے کے بعد انتہائی سخت ہو جاتا تھا۔

سڑکوں کی تعمیر کے وقت یہ اس کی کئی پرتیں یا سطحیں بناتے تھے۔ ہر سطح مختلف مواد سے بنائی جاتی تھی اس سے یہ سڑکیں مضبوط ہو جاتی تھیں اور زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھا سکتی تھیں۔ یہ رومی سڑکیں آج تک استعمال کی حالت میں ہیں۔ خاص طور سے رومیوں نے شہروں میں پانی پہنچانے کے لئے پانی کے ذخیرے تعمیر کئے۔ یہاں سے پانی شہر میں بنے فواروں میں جاتا تھا جہاں سے لوگ اپنے استعمال کے لئے لے جاتے تھے۔ پبلک حماموں کی سپلائی علیحدہ سے تھی۔ بعض گھروں میں پانی کی سپلائی کا اپنا انتظام تھا۔ یہ بارش کے پانی کو چھتوں پر محفوظ کر کے اسے بھی استعمال کرتا تھا۔

رومی عمارتوں کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہ جگہ جگہ دیوی، دیوتا، یا اہم اشخاص کے مجسمے تیار کرا کے انہیں جگہ جگہ نصب کرا دیتے تھے۔ عام طور پر فرش پر پچی کاری (Mosaic) کے ذریعے تصویریں بناتے تھے جو اب تک محفوظ ہیں۔

روم کے شہر کے مرکز میں ایک کھلی جگہ ہوتی تھی جو فورم (Forum) کہلاتی تھی، یہاں سرکاری عمارتیں، مندر، اور مارکیٹ ہوا کرتی تھی۔ رومیوں کا یہ دستور تھا کہ وہ روزانہ اس کھلے چوک میں آپس میں ملا کرتے تھے، اور سیاست سے لے کر زندگی کے ہر پہلو اور معاملہ پر بات چیت کرتے تھے۔ یہاں پر ہی رومی قانون جو 12 تختیوں پر لکھے ہوئے تھے وہ آویزاں تھے۔ یہ چوک شہر کا دل تھا۔ کیونکہ یہ بیچ میں واقع تھا۔ سیاستداں بھی یہاں آ کر تقریریں کرتے تھے۔ تہواروں پر یہاں رونق اور زیادہ ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی تفریح کی خاطر دو جنگ جوؤں کے درمیان لڑائی بھی منعقد کی جاتی تھی۔

چونکہ رومی لوگ اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتے تھے، اس لئے شہر کا یہ چوک ان کو سیر و تفریح کے مواقع فراہم کرتا تھا۔

فورم

گھر

روم کے امیر لوگ شہر اور دیہات دونوں جگہوں پر اپنے گھر بناتے تھے۔ ان کے گھروں کا نقشہ تقریباً ایک جیسا ہوا کرتا تھا۔ سامنے کا دروازہ ایک بڑے ہال میں کھلتا تھا جو اوپر سے کھلا ہوتا تھا، یعنی اس پر چھت نہیں ہوتی تھی اس کے بیچ میں پانی کا فوارہ یا حوض ہوتا تھا۔ یہ چاروں طرف سے بے شمار ستونوں سے گھرا ہوتا تھا۔ اس سے ملا ہوا باغ ہوتا تھا تاکہ گرمیوں میں یہاں سکون مل سکے۔ کمرے اونچی چھتوں کے اور بڑے ہوتے تھے، مگر کھڑکیاں بہت کم ہوتی تھیں۔ دیواروں پر نقش ونگار اور تصاویر ہوتی تھیں۔ فرش کو ٹائلوں سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ گھر میں بہت کم فرنیچر ہوتا تھا۔ کوچ، پلنگ اور صندوق، یہ فرنیچر کی قسمیں تھیں۔ لوگ کھانا کوچوں پر نیم دراز ہو کر کھاتے تھے۔

ان کے گھروں میں عبادت کی جگہ بھی ہوتی تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ روحیں دولت اور کھانے کی حفاظت کرتی ہیں۔ اس لئے یہ ان جگہوں پر خوشبو جلائے رکھتے تھے۔

امراء کے مقابلے میں غریب لوگ چھوٹے اور تنگ مکانوں میں رہتے تھے جو تنگ گلیوں میں واقع تھے۔ یہ عمارتیں چھ چھ منزلہ ہوتی تھیں، کئی خاندان 3 سے 4 کمروں میں رہا کرتے تھے۔ بیت الخلا گلی میں سب کے لئے ہوتا تھا۔ چونکہ غریب لوگ مکان نہیں خرید سکتے تھے اس لئے وہ کرایہ پر رہتے تھے، مالک مکان اکثر لالچی ہوتے تھے اور گھروں کی مرمت نہیں کراتے تھے۔ غریبوں کی یہ عمارتیں ''جزیرے'' کہلاتی تھیں، چونکہ یہاں صفائی کا کوئی انتظام نہیں تھا، اس لئے گندگی اور غلاظت کی وجہ سے بیماریاں پھیلتی رہتی تھیں جن کا شکار عام لوگ ہوتے تھے۔

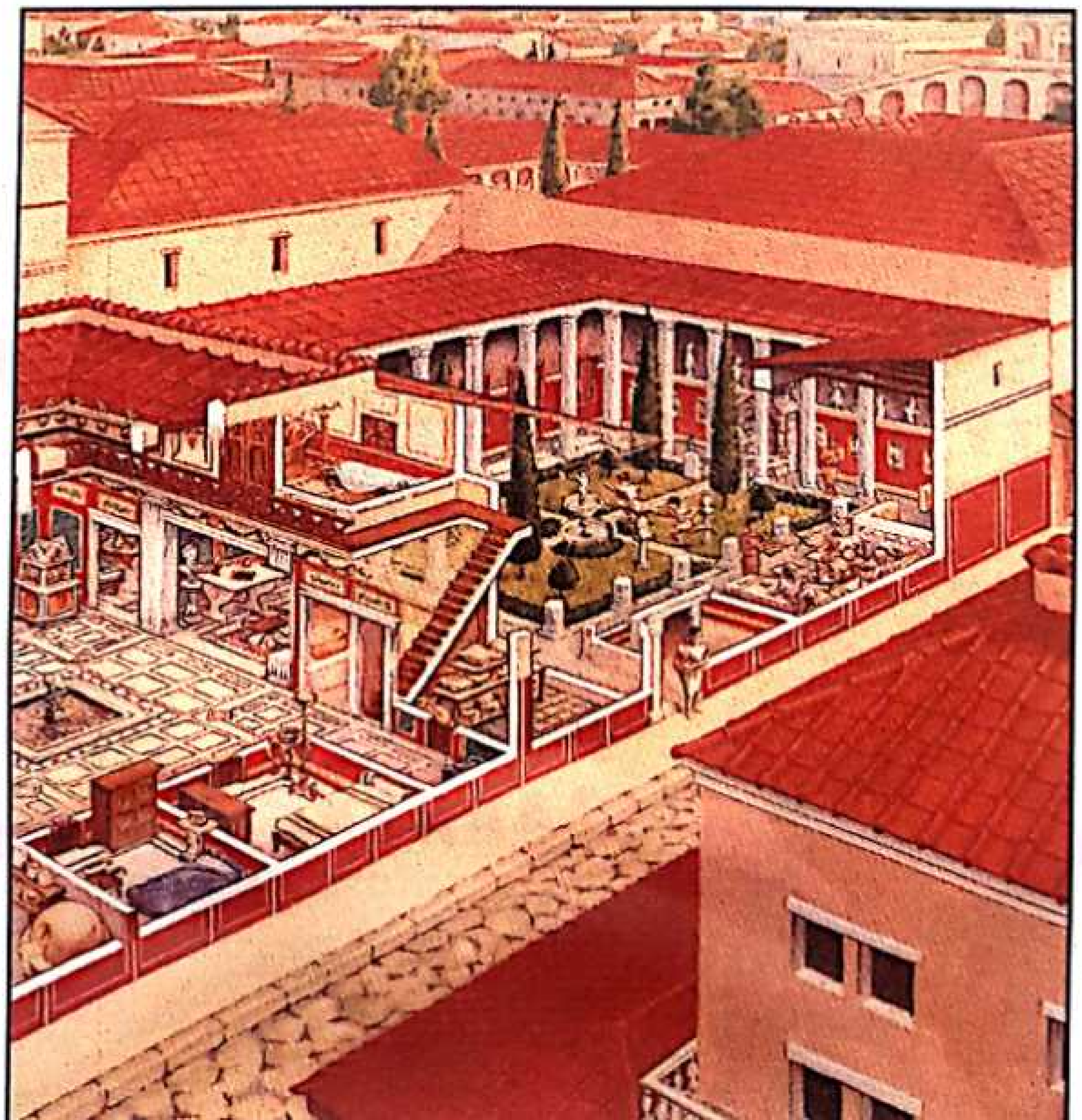

رومی گھر کا ایک منظر

کلوزیم (Colosseum)

روم کے حکمرانوں نے اپنے شہریوں کو مصروف رکھنے کا ایک طریقہ یہ نکالا تھا کہ انہیں تفریح اور کھیل کود میں اس طرح سے شامل کرلیا جائے کہ وہ حکومت کے خلاف سازش اور بغاوت سے دور رہیں۔اس مقصد کے لئے رومی ایمپائر میں جگہ جگہ کھیل مقابلے اور جنگ جوؤں کے درمیان لڑائیاں ہوتی تھیں جن میں لوگ بڑے شوق سے حصہ لیتے تھے۔کیونکہ روم سلطنت کا مرکز تھا اس لئے حکمرانوں نے خاص طور سے یہاں ایک اسٹیڈیم تعمیر کرایا جو کلوزیم کہلاتا تھا۔

سنہ 80ء میں ٹائی ٹس (Titus) شہنشاہ نے اس کا افتتاح کیا تھا۔اس میں 50,000 لوگوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ اس کو اس طرح سے بنایا گیا تھا کہ لوگ چند منٹ میں عمارت سے باہر جا سکتے تھے، محرابوں والے دروازے اور سیڑھیاں تھیں جو آمدورفت کے لئے تھیں۔اس کے 80 دروازے تھے، ہر دروازے پر نمبر ڈالا ہوتا تھا تاکہ آنے والے اپنی نشستوں پر آسانی سے جا سکیں۔

یہاں جنگی لڑائیاں اور جنگلی جانوروں سے مقابلے دن بھر رہتے تھے۔صبح کے وقت مجرموں اور سیاسی نظاموں کو جنگی جانوروں کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا تھا، جنہیں وہ فوراً چیر پھاڑ ڈالتے تھے۔دوپہر کو مردہ لوگوں کی لاشوں کو اٹھا لیا جاتا تھا اور فرش پر تازہ ریت بچھا دی جاتی تھی۔اس کے بعد دو جنگ جوؤں (Gladiators) کی لڑائی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی اسے پانی سے بھر دیا جاتا تھا اور چھوٹے چھوٹے جہازوں کے درمیان جنگ کا مقابلہ کرایا جاتا تھا۔

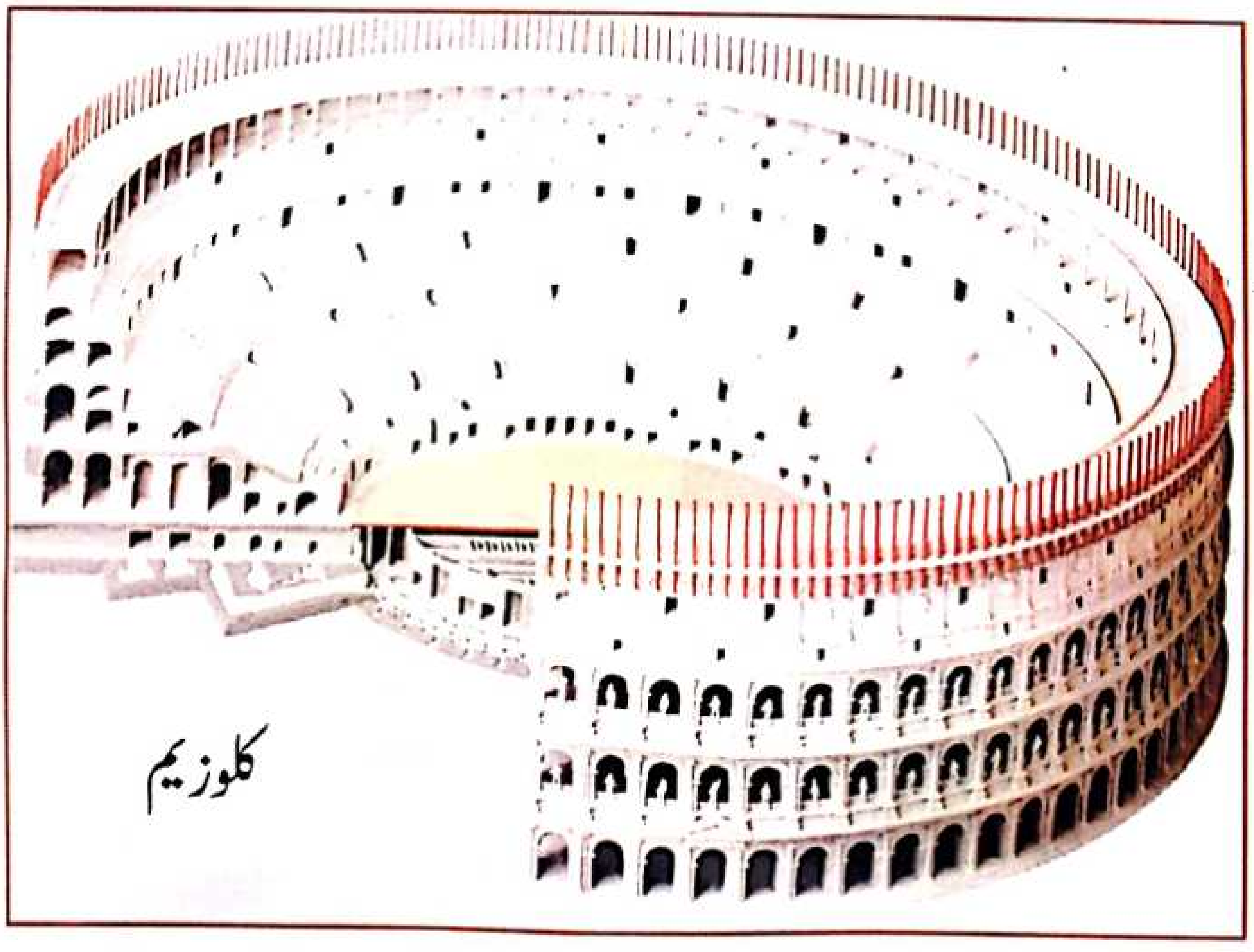
کلوزیم

مقابلے کی جنگ

رومیوں میں دو جنگ جوؤں (Gladiators) کے درمیان خونی مقابلہ بڑا مقبول تھا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں خوں ریزی اور دہشت گردی کس حدتک سمائی ہوئی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان خوں ریز اور سفاکانہ لڑائیوں کی ابتداء شاید مذہبی رسم کے طور پر ابھری ہو یا یہ کسی امیر کی موت پر منعقد ہوتی ہوں تاکہ اس کے ذریعہ اس کی عزت افزائی ہو۔لیکن بعد میں یہ ایک کھیل ہو گیا کہ جس کو دیکھ کر لوگ خوش ہوتے تھے۔اکثر جنگ جو غلام ہوا کرتے تھے جنہیں خاص اسکولوں یا تربیت گاہوں میں لڑنے کی مشق کرائی جاتی تھی۔اگر وہ جنگ میں جیت جاتے تھے تو انہیں غلامی سے آزادی مل جاتی تھی۔

بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ ان جنگ جوؤں کی زندگی بڑی رومانوی اور شاندار ہے۔اس لئے کچھ لوگ بطور رضا کار جنگ جو بن جاتے تھے۔لیکن حقیقت میں ان کی زندگی سخت اور کم مدت کی ہوتی تھی۔ان لوگوں کے اپنے خاص ہتھیار ہوتے تھے جن سے یہ لڑتے تھے۔لڑائیوں میں جو کامیاب ہو جاتے تھے وہ تماشائیوں کے پسندیدہ ہو جاتے تھے۔

جنگ جوؤں کے درمیان مقابلہ کا ایک منظر

تفریح کا ایک اور ذریعہ رتھوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔ جب بھی دوڑ کا دن ہوتا تو لوگ اس کو دیکھنے کے لئے جوق در جوق جمع ہو جاتے تھے۔ ہر رتھ میں 4 گھوڑے ہوا کرتے تھے۔ٹیم کی پہچان اس کے رنگ سے ہوتی تھی: نیلا، سبز، سرخ اور سفید رنگ ہوا کرتے تھے۔ٹیم کا تعلق کسی نہ کسی سیاسی پارٹی یا جماعت سے ہوا کرتا تھا۔ دوڑ کے موقع پر لوگ شرطیں لگاتے تھے، ہنگامے کرتے تھے، ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے تھے۔

دوڑ شروع ہونے کا اعلان سفید کپڑے کو ہلا کر کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دروازے کھلتے تھے اور رتھوں میں جتے گھوڑے دھول اڑاتے باہر آتے تھے۔ جیتنے والی ٹیم کا شخص ہیرو بن جاتا تھا اور اسے انعام واکرام ملتا تھا۔

اس موقع پر شہنشاہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے چھٹی کا اعلان کرتا تھا اور لوگوں کو حکومت کی جانب سے دعوت دی جاتی تھی۔

رتھوں کی دوڑ

تھیٹر

تھیٹر کی روایت رومیوں نے یونانیوں سے لی، اس لئے زیادہ تر وہ یونانی ڈراموں ہی کو اسٹیج کیا کرتے تھے۔ ابتداء میں یہ ڈرامے مذہبی تہواروں پر تفریح کی غرض سے منعقد ہوتے تھے لیکن بعد میں امراء ان کی سرپرستی کرنے لگے تاکہ اس کے ذریعہ وہ لوگوں میں مقبول ہوں۔

تھیٹر میں داخلے کی کوئی فیس نہیں ہوتی تھی۔ عورتوں کو اسٹیج کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ تھیٹر دیکھنے کے لئے بہت کم عورتیں آتی تھیں۔ رومی لوگ ڈراموں کے ایکٹروں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔

رومی ڈراموں میں بہت زیادہ گہرائی نہیں ہوتی تھی۔ ان کے اہم موضوعات یہ تھے: کسی امیر خاتون کا اغوا، بیوقوف بوڑھا آدمی، اور چالاک غلام۔ وہ مزاحیہ ڈراموں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اس لئے زیادہ ڈراموں کا اختتام اچھا ہوتا تھا۔

رومی تھیٹر کی عمارت

حمام

رومیوں کی تفریح کا ایک بڑا ذریعہ حمام ہوا کرتے تھے۔ یہ صرف نہانے کی جگہ ہی نہیں تھے، بلکہ آپس میں ملنے جلنے، بات چیت کرنے اور بحث ومباحثہ کی جگہ بھی ہوا کرتے تھے۔ یہاں وہ دن بھر کام کرنے کے بعد جاتے تھے۔ پہلے ورزش کرتے تھے اس کے بعد ایک کمرے میں جاتے تھے جو کپڑے بدلنے کا تھا، یہاں وہ لباس اتار دیتے تھے۔ اس کے بعد وہ ایک کے بعد ایک دوسرے کمروں میں جاتے تھے جہاں آہستہ آہستہ پانی گرم ہوتا تھا، گرم پانی کی بھاپ سے ان کے جسم کے مسانے کھل جاتے تھے۔ اس کے بعد زیتون کا تیل جسم پر ملا جاتا تھا اور ٹھنڈے پانی سے نہایا جاتا تھا۔ نہانے کے اس عمل سے گزرنے کے بعد وہ شام کے کھانے کے لئے گھر جاتے تھے۔

حمام میں جانا اور نہانا رومیوں کی عادت ہوگئی تھی۔ ان کے پبلک حماموں کی عمارتیں آج بھی جگہ جگہ موجود ہیں۔

رومی حمام

کاریگر

جیسے جیسے تہذیب ترقی کرتی ہے، اسی طرح سے اس کی ضروریات بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کاریگر، دست کار، اور ہنرمند وجود میں آتے ہیں۔ اب اشیاء کو نہ صرف ضرورت پورا کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے بلکہ ان سے لوگوں کے ذوق اور نفاست کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ روم کے پرانے شہروں سے جو اشیاء برآمد ہوئی ہیں وہ کاریگروں کی مہارت، فنی خوبیوں، اور ان کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً اب کمہار صرف برتن ہی نہیں بناتے بلکہ ان پر نقش ونگار اور تصاویر بھی بناتے تھے۔ اب ان برتنوں میں نزاکت بھی صاف نظر آتی ہے۔

تہذیب کے آخری دور میں شیشہ سے بنی اشیاء بھی ملنے لگی تھیں۔ سونے، چاندی، پیتل، لوہے اور دوسری دھاتوں کے زیورات بھی مختلف ڈیزائنوں میں بنائے جانے لگے تھے۔ اب تک شیشہ کا آئینہ نہیں تھا، اس لئے چاندی کی پلیٹ کو گھس کر اور صاف کر کے اس کا آئینہ بنایا جاتا تھا۔ ہڈیوں سے بھی بہت سی چیزیں بنانے لگے تھے جن میں چاقو یا چھری کے ہینڈل، کنگا، تلوار کا ہتھہ یا پانسہ پھینکنے کی گولیاں ہوتی تھیں۔

کیونکہ رومی روٹی شوق سے کھاتے تھے اس لئے بیکریاں پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ کاریگروں کی 150 جماعتیں تھیں۔ کاریگروں میں غلام اور آزاد دونوں ہی شامل تھے۔ یہ تمام مرد ہوتے تھے۔ کاریگروں کی اپنی دوکانیں اور کارخانے تھے۔ ان میں اکثر کاریگر خاندانی ہوتے تھے۔ بیٹا باپ سے سیکھتا تھا، یا پھر استاد وشاگرد کا رشتہ ہوتا تھا۔

پبلک عمارتوں کی تعمیر کی وجہ سے بڑھئی، معمار، اور رنگ کرنے والے کاریگر بڑی تعداد میں تھے۔

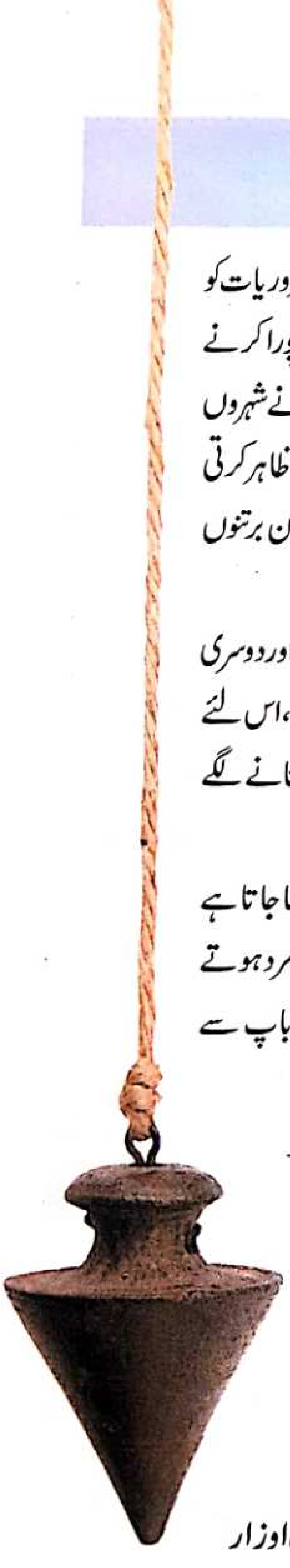

فن تعمیر میں استعمال ہونے والا ایک اوزار

صحت اور بیماری

صحت اور بیماری دونوں کا آپس میں قریبی رشتہ ہے۔ جب تک انسان صحت مند رہتا ہے اس کے لئے دنیا خوشگوار ہوتی ہے۔ مگر جب وہ بیمار پڑتا ہے تو اسے اپنے اردگرد کی ہر چیز بری معلوم ہونے لگتی ہے۔ لوگ کیوں بیمار ہوتے ہیں؟ اب تو بیماریوں کی وجہ بہت حد تک دریافت کر لی گئی ہے۔ مگر رومیوں کو بیماری کی وجہ معلوم نہیں تھی، اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ جادو، ٹونے، یا کسی کی بددعا سے وہ بیمار ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس کا علاج بھی وہ جادو، ٹونے یا دعاؤں سے کرتے تھے۔ علاج کی غرض سے دیوتاؤں کے مندروں میں جاتے تھے۔ اس غرض سے وہ دور دراز کا سفر کر کے ان مندروں میں جاتے تھے کہ جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بیماروں کو صحت یاب کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ایک تو وہ مہنگے ہوتے تھے، دوسرے ان کی دواؤں پر اعتبار نہیں تھا۔ سرجری تکلیف دہ تھی، کیونکہ مریض کو بے ہوش کرنے کی دوا ایجاد نہیں ہوئی تھی۔

بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں عام لوگ خود بھی تجربات کرتے تھے۔ مختلف جڑی بوٹیوں کا استعمال کرتے تھے۔ رومی فوجیوں کو روز ایک لہسن کھانا ہوتا تھا، تا کہ وہ بیماری سے محفوظ رہیں۔

رومی ڈاکٹر

ٹرانسپورٹ

رومیوں نے اپنی سلطنت میں سڑکوں کا جال بچھا دیا تھا۔ اس وجہ سے یہ کہاوت مشہور ہوگئی کہ تمام راستے روم کو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان کا مقصد فوجوں کی آمدورفت تھا، مگر اس سے تاجروں اور مسافروں کو بھی سہولت مل گئی تھی، کیونکہ ان سڑکوں نے روم کو دوسرے شہروں اور صوبوں سے ملا دیا تھا، اس لئے لوگوں کا ایک دوسرے سے رابطہ ہونے لگا تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور ملنے ملانے کی وجہ سے خیالات، افکار اور فیشن پوری سلطنت میں پھیلے۔ سمندری راستوں پر جہاز چلتے تھے جو تجارتی اشیاء لاتے اور لے جاتے تھے۔ تجارت کی وجہ سے سلطنت میں خوش حالی ہوئی۔

چونکہ رومیوں نے اپنے سکّے استعمال کرنا شروع کر دیئے تھے، اس لئے انہوں نے تجارتی اور معاشی معاملات کو آپس میں ملا دیا۔ ناپ تول اور پیمائش کے آلات نے قیمتوں میں توازن برقرار رکھا۔

رومی سماج

رومی سماج دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں ایک امراء کا طبقہ تھا جو پیٹریشن (Patricians) کہلاتے تھے۔ یہ بڑے زمیندار اور سینٹ کے ممبر ہوا کرتے تھے۔ دوسرا طبقہ پلے بین (Plebians) کہلاتے تھے۔ ان میں کسان، کاریگر، مزدور، دکاندار، فوجی اور تاجر ہوا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے سماج میں بہت کم حقوق تھے۔ انہیں امراء کے مقابلے میں زیادہ ٹیکس دینا ہوتا تھا۔ اس ناانصافی کے خلاف 496ق۔م میں عام لوگوں نے بغاوت کردی جس کی وجہ سے امراء کو یہ خیال آیا کہ انہیں بھی کچھ اختیارات دیئے جائیں۔ ان حقوق میں سے ایک یہ تھا کہ انہیں ٹری بیون (Tribune) کو منتخب کرنے کے لئے ووٹ کا حق مل گیا۔

عوام کی دوسری فتح 459ق۔م میں ہوئی جب رومی قانون 12 تختیوں پر لکھے گئے۔ اس سے عام لوگوں کو قانونی طور پر اپنے حقوق کا علم ہوا۔

گھریلو زندگی

روم کا سماج پدرانہ تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ باپ گھر کا سربراہ ہوتا تھا۔ گھر کے تمام افراد، غلاموں سمیت اس کے فرماں بردار ہوتے تھے۔ اس کو یہ بھی حق تھا کہ اپنے بچوں کو زندہ رکھے یا مار ڈالے۔ معاشرے میں زیادہ بچوں کا ہونا اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، کیونکہ ان کی فوج کے لئے ضرورت ہوتی تھی۔ اس لئے جن گھروں میں زیادہ بچے ہوتے تھے انہیں حکومت کی جانب سے مفت گندم ملا کرتی تھی اور ان کے ٹیکس میں بھی کمی کردی جاتی تھی۔ امراء کے گھروں میں غلاموں کی بڑی تعداد ہوتی تھی جو تمام گھریلو کام کرتے تھے۔ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوتا تھا، مگر کچھ گھروں میں یہ خاندان کا ایک حصہ ہو جاتے تھے۔

امراء کے گھروں میں غلام اور ملازمین کام کاج کے لئے ہر وقت ادھر سے ادھر جاتے رہتے تھے، اس لئے گھر والوں کو اکیلے رہنے کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ گھر میں پالتو جانور بھی ہوا کرتے تھے، جن میں کتے، بلیاں، اور پنجروں میں پرندے تاکہ گھر میں رونق رہے۔

عورت

گھر کے کام کاج اور گھریلو ذمہ داریوں کو عورتیں سنبھالتی تھیں۔ سماج میں ایک عورت کے بارے میں یہ تصور تھا کہ اسے تابعدار بیوی اور محبت کرنے والی ماں ہونا چاہئے۔ لڑکیوں کو یا تو تعلیم بالکل ہی نہیں دی جاتی تھی یا بہت معمولی۔ امراء کی عورتوں کو مقابلتاً زیادہ آزادی تھی۔ وہ مالدار عورتیں جو غیر شادی شدہ یا بیوہ ہوتیں وہ اپنی جائیداد کی دیکھ بھال خود کرتی تھیں۔ شہنشاہ اور سینیٹرز کی بیویاں اپنے شوہروں پر سیاسی اثر ڈالتی تھیں۔

عام عورتیں دھاگا کاتتی اور کپڑا بُنتی تھیں۔ شہنشاہ آگسٹس نے اپنی بیٹی جولیا کو دھاگا کاتنے اور کپڑا بُننے کو کہا تاکہ دوسری امراء کی عورتیں بھی اس کی تقلید کریں۔ مگر یہ کام عام عورتیں ہی کرتی رہیں۔ عورتیں میک اپ کر کے خود کو خوبصورت بناتی تھیں۔ پیلے رنگ کی جلد کو پسند کیا جاتا تھا اس مقصد کے لئے چاک کا بنا پوڈر استعمال کیا جاتا تھا۔ سرخ رنگ گالوں اور ہونٹوں کے لئے ہوتا تھا۔ بھوؤں کو سرمہ کے ذریعہ خوبصورت بنایا جاتا تھا۔ خوشبوؤں کا استعمال بھی عام تھا۔

عورتوں کا لباس ہلکا ہوتا تھا۔ اس پر وہ قبا یا عبا پہن لیتی تھیں۔ بالوں کو لکڑی یا ہڈی کے بنے کنگھے سے سنوارتی تھیں۔ زیورات میں ہار، بالوں کی پن، بالیاں، اور انگوٹھی وغیرہ ہوتے تھے۔

جو عورتیں گھر سے باہر جاتی تھیں وہ پجارنیں بن جاتی تھیں، یا دائیاں، بال کاٹنے اور سنگھار کرنے والی ہوتی تھیں۔ زیادہ اہم پیشوں پر مردوں کا قبضہ تھا۔ وہاں عورتوں کو اجازت نہیں تھی۔

رومی عورتیں

شادی

رومیوں میں شادی سیاسی اور مالی مفادات کے تحت ہوا کرتی تھی۔ ماں، باپ شادی کے لئے لڑکی یا لڑکا پسند کرتے تھے۔ پہلی صدی ق۔م سے امراء کے گھروں میں شادی کے وقت لڑکی کو جہیز دینے کی رسم شروع ہوگئی تھی۔ شادی کے لئے لڑکی کی عمر 14 اور لڑکے کی عمر 17 سال ہوا کرتی تھی۔ شادی کے دن دلہن نارنجی رنگ کی نقاب پہنتی تھی۔ شادی کی رسم مندر میں ہوتی تھی۔ اس موقع پر دیوتا کو خوش کرنے کے لئے قربانی کی جاتی تھی۔ میاں بیوی ہاتھ ملا کر ایک ہونے کا اعلان کرتے تھے اور عہد کرتے تھے کہ وہ ساتھ رہیں گے۔

شادی کے وقت ایک معاہدہ ہوتا تھا جس میں شوہر کی ذمہ داریاں اور فرائض درج ہوتے تھے اس معاہدہ کی رو سے شوہر قانونی طور پر گھر کا سربراہ ہوجاتا تھا۔

شادی کی رسم کے بعد گھر والے دلہن کو دولہا کے گھر لے جاتے تھے۔ اس موقع پر دروازے پر زیتون کا تیل چھڑکا جاتا تھا تاکہ آنے والے وقتوں میں خوشی اور برکت رہے۔

رومی مرد اور عورت شادی کے موقع پر ہاتھ ملا کر ایک ہونے کا اعلان کرتے ہوئے

بچے

جو بچے امراء کے گھروں میں پیدا ہوتے تھے انہیں تعلیم وتربیت، کھیل کود اور تفریح کے زیادہ مواقع ملا کرتے تھے، یا تو باپ خود انہیں پڑھاتا تھا، یا استاد ملازم رکھا کرتا تھا۔ دستور یہ تھا کہ بچہ 7 سال کی عمر سے اسکول جانا شروع کر دیتا تھا۔ اسکول صبح سے دوپہر تک ہوا کرتا تھا۔ اگر بچے غلطی کرتے تو انہیں سخت سزا دی جاتی تھی۔

لڑکیوں کو کم پڑھایا جاتا تھا۔ ان کی تربیت گھریلو کاموں کے لئے ہوتی تھی۔

ابتدائی تعلیم کم عمری میں ختم ہو جاتی تھی۔ عام لوگوں کے بچے کاریگر، فوجی اور کسان کا پیشہ اختیار کر لیتے تھے، جب کہ امراء کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے حکومت کے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔

رومی بچے اپنے والدین کے ساتھ

معاشرے میں لوگوں کے کھانے کے اوقات سے ان کی دن کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ رومیوں کے بارے میں جو معلومات ملی ہیں ان کے مطابق وہ سورج نکلنے سے پہلے ناشتہ کر لیتے تھے۔ اس کے بعد کام پر جاتے تھے دن بھر کام کرنے کے بعد رومی شام کے کھانے کی تیاری کرتے تھے۔ یہ دن میں دو یا تین بجے شروع ہوتا تھا۔ کھانا آرام سے کھایا جاتا تھا۔ کھانے میں روٹی، پھل، مچھلی، دودھ، پنیر، انڈے، سبزیاں اور زیتون ہوا کرتے تھے۔ غریب لوگ روٹی، دالیں، اور سبزی پر گذارہ کرتے تھے۔ انہیں گوشت بہت کم کھانے کو ملتا تھا۔ عام طور سے ان کے گھروں میں باورچی خانہ نہیں ہوتا تھا، اس لئے دوکانوں سے خرید کر کھایا کرتے تھے۔ دن میں کھانا نہیں کھایا جاتا تھا۔ اصل کھانا شام کا ہوتا تھا۔

امراء کے گھروں میں باورچی خانہ ہوا کرتا تھا۔ وہ کھانوں میں طرح طرح کے تجربے کرتے تھے۔ کھانوں کو خوبصورت انداز میں پیش کرنے کا رواج تھا۔ امراء اکثر دعوتیں کیا کرتے تھے اس موقع پر مہمان شاندار لباس پہن کر آتے تھے۔ اس دعوت پر کرتب دکھانے والے، گانے و رقص کرنے والے اور لطیفے سنانے والے بھی ہوتے تھے جو مہمانوں کو خوش کرتے تھے۔ کھانا کوچ پر نیم دراز ہو کر کھایا جاتا تھا۔ کھانے کی میز کے گرد تین کوچیں ہوا کرتی تھیں، یہاں ملازم کھانا لا کر رکھتے تھے۔ کھانا ہاتھ سے کھایا جاتا تھا اس لئے اسے بار بار دھوتے تھے۔ مہمان کھاتے ہوئے ہڈیاں فرش پر پھینک دیتے تھے، ان کو کھانے کے لئے اکثر کتے وہاں ہوتے تھے۔

رومی دعوت کا ایک منظر

لباس

رومی جولباس پہنتے تھے اسے ٹوگا (Toga) کہتے تھے۔ یہ ایک لمبی چادر ہوتی تھی جسے جسم کے گرد لپیٹ لیا جاتا تھا۔ یہ لباس صرف رومی شہری پہن سکتے تھے۔ نابالغ لڑکے جوٹوگا پہنتے تھے اس پر ارغوانی دھاریاں ہوتی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ ابھی پورے شہری نہیں ہوئے ہیں۔ 15 سال کی عمر میں یہ بغیر دھاریوں کا ٹوگا پہننے لگتے تھے۔

شہنشاہ، سینیٹرز اور کونسل جوٹوگا پہنتے تھے اس کی جھالر پر سنہری کام ہوا کرتا تھا۔ اس سے ان کے اعلیٰ مرتبہ کا پتہ چلتا تھا۔ شادی شدہ عورتیں جو چادر جسم کے گرد لپیٹتی تھیں وہ ان کے ٹخنوں تک آتی تھی۔ جب وہ باہر جاتی تھیں تو اپنا سر ڈھکتی تھیں۔

غریب شہری اون کا بنا ہوا سادہ لباس استعمال کرتے تھے۔

اس لئے لباس سے شخصیت کے مرتبہ اور اس کی دولت کا اندازہ ہو جاتا تھا۔

رومی لباس

لاطینی

اگرچہ رومی سلطنت یا ایمپائر میں کئی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ مگر آہستہ آہستہ لاطینی زبان پوری رومی سلطنت کی زبان ہوگئی اور اس کا استعمال حکومتی اور تجارتی معاملات میں ہونے لگا اور قوانین، شاعری، تاریخ، کتبات، اور فلسفہ سب لاطینی زبان میں لکھا جانے لگا۔ لکھائی کے لئے پیپرس (Papyrus) کپڑا، کھالیں، یا مٹی کی تختیاں ہوتی تھیں۔ چونکہ بہت کم تحریریں ہوا کرتی تھیں، اس لئے کتابیں بہت مہنگی اور نایاب ہوتی تھیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بھی بہت کم ہوا کرتی تھی۔ رومی سلطنت کے زوال کے بعد بھی لاطینی زبان قائم رہی اور پورے یورپ کی علمی و ادبی زبان بن گئی۔

رومی کی عمر کم ہوا کرتی تھی۔اس کی وجہ بیماریاں، وبائیں اور جنگیں تھیں۔اس وقت تک ان کے ہاں غذا کا استعمال صحت کے مطابق نہیں تھا۔طبی سہولتیں بھی پوری طرح سے میسر نہیں تھیں۔زیادہ بچے کم عمری ہی میں مر جاتے تھے۔عورتیں بچے کی پیدائش کے وقت دم توڑ دیتی تھیں۔اس وجہ سے موت ہر وقت ان کے قریب رہتی تھی۔ پہلے مردوں کو جلایا جاتا تھا، مگر بعد میں انہیں دفن کیا جانے لگا۔جب جلانے کا رواج تھا تو مردے کو جلانے کے بعد اس کی راکھ کو ایک بوتل میں رکھ کے خاندانی قبرستان میں دفن کر دیتے تھے۔قبر پر کتبہ ہوتا تھا، جس پر مرنے والے کا نام، ان کی صفات، اور کبھی اس کی شبیہہ کندہ کرادی جاتی تھی۔

یونانیوں کی طرح رومیوں کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ مرنے والے مردوں کی دنیا دریا پار کر کے جائے گا۔اس لئے وہ اس کے منہ میں ایک سکّہ رکھ دیتے تھے کہ وہ دریا پار کرانے والے کو بطور معاوضہ ادا کر سکے۔

مردہ کو دفن کرنے کی غرض سے رشتہ دار، دوست واحباب سب جلوس کی شکل میں جاتے تھے۔قبرستان شہر سے باہر سڑک کے کنارے پر ہوا کرتے تھے۔

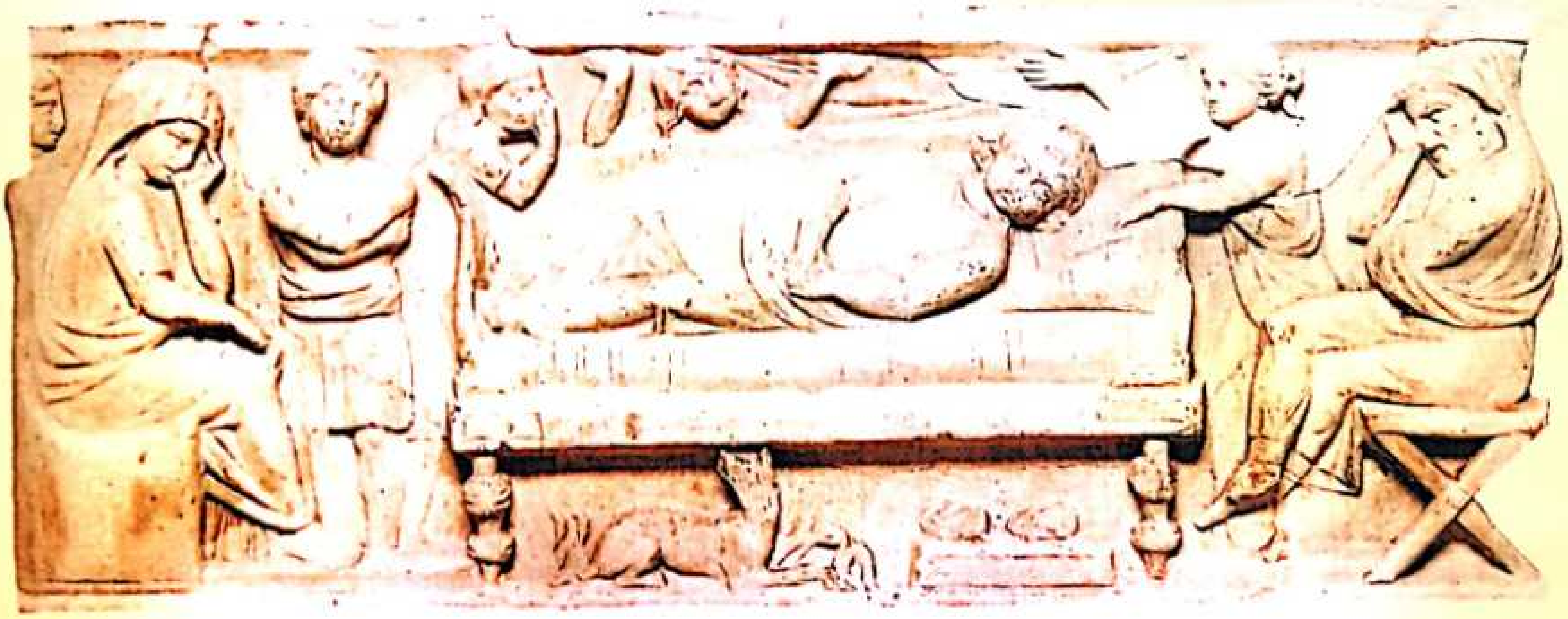

غمزدہ رومی اپنے عزیز کی موت پر رو رہے ہیں

موسیقی

اگرچہ رومی امراء موسیقی اور موسیقاروں کے بارے میں زیادہ اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ لیکن عام لوگوں میں موسیقی اور رقص بہت مقبول تھے۔ نجی محفلوں میں موسیقی کا رواج تھا۔ مذہبی رسومات، تہواروں اور عوامی تقریبات میں موسیقی ان کا اہم حصہ ہوتی تھی۔ رومیوں نے بہت سے موسیقی کے آلات یونانیوں سے لئے تھے۔ ان کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ بانسری تھی۔ سب سے زیادہ پیچیدہ آلہ ایک آرگن تھا جسے 3 صدی ق۔م میں یونانیوں نے ایجاد کیا تھا۔

رومی موسیقار بانسری بجاتے ہوئے

چونکہ رومی مسلسل جنگوں میں مصروف رہے اس لئے ان کے پاس بڑی تعداد میں جنگی قیدی آئے جنہیں بطور غلام بنا کران سے ہر قسم کے کام لینا شروع کئے۔ ابتداء میں جب غلاموں کی تعداد کم تھی تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ انہیں مالک کے مرنے پر آزادی بھی مل جاتی تھی۔ لیکن جب رومیوں نے شمالی افریقہ، یورپ اور مشرق وسطی کو فتح کیا تو وہاں سے جنگی قیدی ان کے پاس آئے۔ ان کو غلام بنا کر ان سے نہ صرف گھریلو کام لیا جاتا تھا، بلکہ یہ کھیتی باڑی بھی کرتے تھے، کانوں سے دھاتیں نکالتے تھے، اور فوج میں بطور فوجی لڑا کرتے تھے۔ آخر میں ان کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ رومی شہری ان سے خوف زدہ رہنے لگے تھے۔

چونکہ ان غلاموں کی زندگی بڑی سخت اذیت اور مشقت کی تھی، اس لئے اس کے خلاف یہ برابر بغاوتیں کرتے رہتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی بغاوت اسپارٹاکس نامی ایک غلام کی تھی، جس نے ابتداء میں رومیوں کو کئی شکستیں دیں۔ مگر آخر میں اس کی فوج کو شکست ہوئی اور اس جرم میں رومیوں نے 120,000 غلاموں کو صلیب پر لٹکا کر قتل کر ڈالا۔

لیکن غلاموں کی اس تعداد اور ان کے ذمہ جو کام تھے اس نے رومی معاشرہ کو معاشی اور اخلاقی طور پر کمزور کر دیا۔ مورخ اس کے زوال کی ایک وجہ غلاموں کے اس معاشرے کو بتاتے ہیں جو رومیوں نے بنایا تھا۔

رومیوں نے ایک وسیع، طاقت ور اور شان و شوکت والی سلطنت قائم کی۔ مگر وقت کے ساتھ یہ کمزور ہوتی چلی گئی۔ آخر یہ زوال کیوں ہوا؟ اس کی وجوہات مورخوں نے بتائی ہیں۔ مثلاً سلطنت بہت زیادہ پھیل گئی تھی، اس لئے اس کا مختلف صوبوں اور علاقوں سے رابطہ نہیں رہا تھا۔ جب دولت آئی تو اس کے ساتھ ہی بدعنوانیاں بڑھ گئیں۔ سرکاری عہدے دار نااہل ہونے لگے، ذاتی مفادات پر زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ شہریوں کے مفادات کو نظر انداز کیا جانے لگا۔ اس نے اخلاقی قدروں اور روایات کو کمزور کر دیا۔

روم کے شہر میں جب بدامنی پھیلی اور لوگ محفوظ نہیں رہے تو امراء دیہاتوں میں چلے گئے، جہاں انہوں نے حفاظت کے لئے اپنی فوج رکھنی شروع کر دی۔ نجی فوجوں کی وجہ سے امراء و شہنشاہ میں خانہ جنگی روز کا معمول ہوگئی۔

جب بنیادی طور پر سلطنت کمزور ہوئی تو ہمسایہ قبائل نے حملے شروع کر دیئے، ان حملوں نے روم کی فوجی طاقت کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا، یہاں تک کہ روم کا شہر ان قبائل کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوا۔ اور ایک وقت وہ آیا کہ اس عظیم سلطنت کے محض کھنڈر اس کی یاد بن کر رہ گئے۔

تہذیبیں زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتی ہیں، مگر اپنے تہذیبی اور ثقافتی ورثے کو چھوڑ جاتی ہیں۔ رومی تہذیب نے جدید یورپ کی تاریخ پر گہرے اثرات ڈالے، اور اس کا سیاسی نظام، قوانین، اور تعمیرات میں اس نے رومیوں سے بہت کچھ سیکھا۔ اس طرح ان کا ماضی کسی نہ کسی شکل میں آج بھی موجود ہے۔